اکتوبر ۸۹ء

ماہنامہ حکمت قرآن لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

حرفِ اوّل	عاکف سعید	۲
الحیاء شعبۃٌ من الایمان (نشری تقریر)	ڈاکٹر اسرار احمد	۳
ہدایت القرآن (۳۳)	مولانا محمد تقی امینی	۷
توضیح و تنقید (جنت کا شجرِ ممنوعہ)	مولانا اخلاق حسین قاسمی	۱۱
حکمتِ اقبال (۱۹)	ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم	۱۴
لغات و اعرابِ قرآن (۷)	پروفیسر حافظ احمد یار	۲۰
ڈاکٹر طاہر سعید کے نام	ڈاکٹر حافظ محمد مقصود	۴۲
سالانہ رپورٹ (انجمن خدّام القرآن سندھ)	مرتّب: سید حامد علی رضوی	۴۵

مرکزی انجمن خُدّام القرآن لاہور

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز

ڈاکٹر اسرار احمد کی مقبولِ عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

خود پڑھیے اور دوستوں اور عزیزوں کو تحفۃً پیش کیجئے

نوٹ

اس کتابچے کا انگریزی، عربی، فارسی اور سندھی زبان میں بھی ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ اس کے حقوقِ اشاعت نہ ڈاکٹر صاحب کے حق میں محفوظ ہیں نہ انجمن کے

شائع کردہ

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور

۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور۔ فون: ۸۵۶۰۰۴

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

ماهنامه — لاهور

حکمتِ قرآن

جاری کردہ: ڈاکٹر محمد رفیع الدین، ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ، مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد، ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی،

معاون مدیر: حافظ عاکف سعید، ایم اے (فلسفہ)

معاون امور انتظامی: حافظ خالد محمود خضر

جلد ۸ — اکتوبر ۱۹۸۹ء مطابق ربیع الاول ۱۴۱۰ھ — شمارہ: ۱۰

— یکے از مطبوعات —

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶-کے۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاہور ۱۴۔ فون: ۸۵۶۰۰۳

کراچی آفس: ۱۱ داؤد منزل متصل شاہ بکری۔ شاہراہ لیاقت کراچی، فون: ۲۱۶۵۸۶

سالانہ زرِ تعاون -/۴۰ روپے فی شمارہ -/۴ روپے

مطبع: آفتاب عالم پریس، ہسپتال روڈ لاہور

ربطِ کلام کا حسن دیکھیے کہ سورۃ الاعراف کے دوسرے رکوع میں قصۂ آدم و ابلیس کے ضمن میں بتایا گیا تھا کہ شیطان کے اغوا و اضلال کے نتیجے میں آدمؑ وحوّا لباسِ جنّت سے محروم ہو گئے تھے اور اس کے فوراً بعد تیسرے رکوع کے آغاز میں ارشاد ہوا:

يٰبَنِيٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا	اے آدمؑ کی اولاد! ہم نے تم پر لباس اتارا جو تمہارے
يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى	لیے ستر پوشی بھی ہے اور ذریعۂ زینت بھی، پھر تقویٰ کا
ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ	لباس بھی ہے جو سب سے بڑھ کر ہے۔ یہ اللہ کی
يَذَّكَّرُوْنَ ۝ (الاعراف: ۲۶)	نشانیوں میں سے ہے تاکہ وہ یاددہانی حاصل کریں۔

گویا انسان کے لیے ایک لباس ظاہری ہے جس کا اساسی مقصد ستر پوشی ہے اور اضافی مقصد حصولِ زینت و آرائش، اور دوسرا لباس باطنی ہے یعنی تقویٰ کا جذبہ اور حیاء کا مادّہ جو فطرتِ انسانی کی بدیہیات میں سے ہونے کے علاوہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں یہی بات ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکیمانہ قول میں ارشاد فرمائی کہ "الحیاء شعبة من الایمان" (حیاء ایمان ہی کی ایک شاخ ہے)۔ آگے فرمایا:۔

يٰبَنِيٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ	اے بنی آدم! گمراہ نہ کرنے پائے تمہیں شیطان، جیسے کہ
كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ	نکلوا دیا تھا اس نے تمہارے والدین (یعنی آدمؑ وحوّا)
يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا	کو جنّت سے، ان کے لباس اتروا کر تاکہ بے پردہ کر دے
سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ	انہیں ایک دوسرے کے سامنے۔ یاد رکھو، یہ شیطان اور
مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا	اس کے چیلے چانٹے تم پر وہاں سے گھات لگاتے ہیں
الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ	جہاں سے تم ان کو دیکھ بھی نہیں سکتے۔ ہم نے ان شیطانوں
(الاعراف: ۲۷)	کو ان لوگوں کا رفیق بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے!

یہ ارشاد ہوا اس واقعے کی طرف جو جنّت میں ابلیسِ لعین اور حضرت آدمؑ وحوّا کے مابین پیش آیا تھا۔ پھر فرمایا:

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا	اور جب یہ لوگ کسی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہیں
عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ	تو کہتے ہیں کہ ہم نے اسی پر اپنے آباء و اجداد کو

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (الاعراف : ۲۸)	عامل پایا، لہٰذا یہ حکم ہمیں اللہ ہی نے دیا ہے۔ کہہ دو اللہ کبھی بھی بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔ کیا تم اللہ کی طرف جھوٹ موٹ ایسی باتیں منسوب کر رہے ہو جن کا تم کوئی حقیقی علم نہیں رکھتے۔

یہ تردید ہوئی اہلِ عرب کی اس حد درجہ سفیہانہ و بیہودہ رسم کی کہ وہ مادر زاد برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کے طواف کو بہت بڑی نیکی سمجھتے تھے اور ستم بالائے ستم یہ کہ اپنی اس حماقت کو اللہ ہی کی طرف منسوب بھی کرتے تھے۔ آگے فرمایا:

قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۝ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ (الاعراف : ۲۹-۳۰)	کہہ دو میرا ربّ تو بس عدل و قسط کا حکم دیتا ہے۔ اور اس کا کہ تم ہر عبادت میں اپنا رُخ سیدھا اسی کی جانب رکھو اور صرف اسی کو پکارو، اطاعت کو صرف اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے۔ اس نے جس طرح تمہیں ابتداء میں پیدا کیا تھا اسی طرح تم لوٹ جاؤ گے۔ ایک گروہ کو اس نے ہدایت سے سرفراز فرمایا اور ایک گروہ پر گمراہی مسلّط ہو کر رہ گئی، اس لیے کہ خود انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیاطین کو اپنا دوست بنا لیا ہے اور اپنی (جہالت میں) سمجھ یہ رہے ہیں کہ وہ سیدھی راہ پر ہیں۔

یہ گویا خلاصہ ہو گیا قرآن اور اسلام کی اساسی تعلیمات کا۔ یعنی ایمان باللہ، نظری و عملی ہر نوع کی توحید خالص کے ساتھ اور ذاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں اس تصوّر کے ساتھ کہ وہ خود بھی عادل و منصف ہے اور عدل و انصاف کا حکم بھی دیتا ہے ——— اور ایمان بالمعاد یعنی یہ کہ انسان کی حیاتِ دُنیوی ہی کل زندگی نہیں بلکہ اصل زندگی اس کے بعد ہے جب کہ وہ اپنے اصل مبدأ کے جانب لوٹے گا۔ اور یہ عظیم حقیقت کہ ہدایت و ضلالت کے باب میں اوّلین انتخاب خود انسان کا اپنا ہے، کہ آیا وہ شیطانِ لعین اور اس کی ذُرّیّتِ صلبی و معنوی کو اپنا دوست بناتا ہے یا رحمٰن اور اولیاء الرّحمٰن کو۔

آخر میں فرمایا:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ (الاعراف: ۳۱)

اے اولادِ آدم! ہر عبادت کے موقع پر اپنی زینت سے آراستہ رہا کرو اور کھاؤ اور پیو، البتہ اسراف نہ کرو۔ اس لیے کہ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

یہ گویا خلاصہ ہو گیا اسلام کی عملی تعلیمات کا ــــــ خصوصاً اس نہج سے کہ وہ رہبانیت کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ نہ لباس میں زیبائش و آرائش کا اہتمام ہرگز کوئی خلافِ تقویٰ بات ہے، نہ کھانا اور پینا خلافِ تقویٰ و تدین امور ہیں ــــــ یہ عام فطرتِ انسانی کے تقاضے ہیں جن میں عدل و قسط ملحوظ رہیں تو ان میں سے کوئی بھی بذاتہٖ شر نہیں ہے۔ البتہ تکلّف اور اسراف یقیناً بُری باتیں ہیں، جن سے لباس کے معاملے میں بھی بچنا چاہیے اور کھانے پینے کے معاملات میں بھی۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بقیہ: اسلام کا سیاسی نظام

اور ابلیس اپنے مشیروں کو زور دے کر کہتا ہے کہ نظامِ کہنہ کے پاسدارو! بڑی تیزی کیساتھ پوری دنیا میں پھیل جاؤ اور ہر ممکن کوشش کر کے اسلام کے اس عادلانہ نظام کو چشمِ عالم یا نگاہِ انسانی سے چھپا دو اور ہٹا دو۔ چنانچہ سنئے۔

چشمِ عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب
یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محرومِ یقیں
ہے یہی بہتر الٰہیات میں الجھا رہے
یہ کتاب اللہ کی تاویلات میں الجھا رہے
ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات
مست رکھو ذکر و فکرِ صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے

★★★

ھدایت القرآن (۴)

مولانا محمد تقی امینی

اُمّتِ مسلمہ کی عالمی قیادت کے لیے چند بنیادی انتظامات

عقائد و اعمال میں ہدایت و رہنمائی کی تجدید

ہدایت و رہنمائی کا سلسلہ شروع سے چلا آرہا تھا۔ اب نئی امت کی عالمی قیادت کے اعلان و انتظام کے بعد نئے انداز میں اس کو بیان کیا جارہا ہے جس میں اصولی باتیں زیادہ اور فروعی باتیں کم ہیں۔ اور جس میں اندرونی زندگی اور اس میں بگاڑ کی جڑوں کی طرف زیادہ توجہ ہے۔ یہ انداز بیان کسی کتاب کا نہیں ہے بلکہ ہدایت و رہنمائی کا ہے جس کی انگلی مریض کی نبض پر ہے اور جس کے سامنے اندر و باہر کی "ایکسرے رپورٹ" ہر وقت موجود رہتی ہے۔

اس انداز بیان میں زندگی کی باریکیوں، فطری سچائیوں، اخلاقی خوبیوں، اجتماعی ضرورتوں اور روحانی رابطوں سبھی کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ پھر قدم قدم پر انسان کے ضمیر کے "تار" کو چھیڑا گیا اور سب سے اس کا تعلق جوڑا ہے۔

یہ تجدید (نیا کرنا) صرف انداز بیان میں نہیں ہے، بلکہ نئی امت کی عالمی قیادت کی مناسبت سے کئی طرح سے ہے مثلاً مختلف قسم کی آمیزشوں اور ملاوٹوں سے ہدایت و رہنمائی کو پاک وصاف کیا گیا، حسب ضرورت اس میں کاٹ چھانٹ کی گئی، اس میں ترمیم و اضافہ کیا گیا اور ایک ایسے سانچے میں اس کو ڈھالا گیا جس میں سب کے لیے ہدایت و رہنمائی ہے، کسی فرقہ گروہ اور زمانہ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ راقم الحروف نے اپنی عربی کتاب "الأسس الفكرية الايمانية للدستور القرآني" (جو مصر سے شائع ہو گئی ہے) میں کچھ تفصیل سے اس پر بحث کی ہے، شاید اس کا مطالعہ مفید رہے۔

توحید کا ذکر اور شرک کی تردید

ابتداء توحید کے ذکر اور شرک کی تردید سے کی گئی ہے کہ ہدایتِ الٰہی کے فکری و عملی نظام

میں اسی کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ چنانچہ توحید کا مطلب ہی یہ ہے کہ ایک اور صرف ایک اللہ پر ایمان اور اُسی پر اعتقاد رکھنا۔ یہ ایمان و اعتقاد اللہ کو صرف جان لینے اور مان لینے کا نام نہیں ہے بلکہ ایک مضبوط ذہنی فیصلہ ہے جو پوری قوت کے ساتھ ذہن میں سمایا رہتا ہے اور فکر و عمل کی ساری قوتیں اسی کے زیر اثر کام کرتی ہیں۔ اس طرح ہدایتِ الٰہی میں توحید فکر و عمل کی وہ پختہ بنیاد عطا کرتی ہے جس پر زندگی کی پوری عمارت تیار ہوتی ہے۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝
اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ
وَالْفُلْكِ الَّتِىْ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ
اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا
وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۠ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ
الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ
كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ
ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ
شَدِيْدُ الْعَذَابِ ۝ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ
اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ۝
وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا
تَبَرَّءُوْا مِنَّا ۭ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ۭ
وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ۝

اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے بیشک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے بدلنے میں اور جہازوں میں جو سمندر میں لوگوں کی نفع دینے والی چیزیں لے کر چلتے ہیں اور اس پانی میں جو اللہ آسمان سے اُتارتا ہے پھر اس سے مردہ (خشک) زمین کو زندہ کرتا ہے اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلاتا ہے اور ہواؤں کے بدلنے

ہیں اور بادل ہیں جو آسمان اور زمین کے درمیان حکم کے تابع ہیں (ان سب میں) یقیناً عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں[1]۔ اور ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ کے سوا کو اللہ کا شریک بناتے ہیں۔ جن سے وہ ایسی ہی محبت کرتے ہیں جیسی کہ اللہ سے محبت کرنی چاہیے۔ اور ایمان والوں کو تو اللہ ہی سے زیادہ محبت ہوتی ہے[2] اور اگر یہ ظالم اس وقت کو دیکھ سکتے جبکہ عذاب ان کے سامنے ہوگا تو ان پر یہ حقیقت کھل جاتی کہ سارا زور اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ اس وقت انکا کیا حال ہوگا جبکہ پیشوا اپنے پیروکاروں سے بیزاری ظاہر کریں گے اور ان کے آپس کے تعلقات ختم ہوجائیں گے اور پیروکار کہیں گے کہ کاش دنیا میں پھر جانا ہوتا تو ان سے ہم بھی اسی طرح بیزاری ظاہر کر دیتے جس طرح یہ ہم سے بیزاری ظاہر کر رہے ہیں۔ اسی طرح اللہ ان کے کاموں کو حسرت و افسوس بناکر ان کے سامنے لاتے گا اور وہ دوزخ سے نہ نکل سکیں گے[3]

---

[1] آیت میں اللہ کی توحید کے ساتھ اس کا تعارف بھی کرا دیا گیا ہے کہ وہ خوف و دہشت کی طاقت نہیں ہے کہ اس سے تعلق جوڑنے میں کسی وسیلہ و سفارش کی ضرورت ہو بلکہ محبت و رحمت کا پیامی ہے کہ ہر شخص اس سے تعلق جوڑ سکتا اور ہر ایک اس کو راضی و خوش رکھ سکتا ہے۔ پھر آگے کی آیت میں اس کی رحمت و محبت کا ثبوت پیش کیا ہے کہ اس نے یہ سارا کارخانہ انسان کی خدمت اور اس کو فائدہ پہنچانے کے لیے پیدا کیا ہے۔ یہ اہتمام و انتظام انسانوں کے ساتھ اس کی محبت و رحمت کا کھلا ثبوت ہے۔

[2] قرآن میں اس قسم کی تقریباً ۷۵۰ آیتیں ہیں جن سے ایک طرف اللہ کی وحدانیت (ایک ہونے)، اس کی رحمت و محبت اور اس کی عظمت و قدرت پر دلیل قائم ہوتی ہے، جو عام فائدہ ہے۔ اور دوسری طرف "یتفکرون" اور "یعقلون" کے ذریعہ ان میں غور و فکر اور ریسرچ و تحقیق کی دعوت بھی ہوتی ہے تاکہ ان سے خاص فائدہ حاصل کیا جائے۔ سائنسی تحقیقات جن سے دنیا فائدہ اٹھا رہی ہے وہ سب انہی میں غور و فکر اور ریسرچ و تحقیق کے نتیجہ میں ظاہر ہوئی ہیں۔ یہ بڑی زیادتی کی بات ہے کہ ان سے عام فائدہ جو لوگوں کو دکھائی دیتا ہے اس کو تو حاصل کیا جائے لیکن وہ خاص فائدہ جس میں محنت و مشقت زیادہ پڑتی ہے اس کو دوسروں کے حوالہ کر دیا جائے۔ وہ قومیں بالعموم خاص فائدہ سے محروم رہتی ہیں جو گراوٹ و پستی میں مبتلا ہوتی ہیں اور محنت و مشقت کے کام (غور و فکر اور

ریسرچ و تحقیق، سے جی چراتی ہیں اور پھر ذلت و خواری ان کی قسمت بن جاتی ہے۔ اس قسم کی تدبر سے جس طرح عام فائدہ مطلوب ہے، خاص فائدہ بھی مطلوب ہے

اگر ایسا نہ ہوتا تو قرآن میں بار بار نہ ان چیزوں کا ذکر ہوتا اور نہ جگہ جگہ ان میں غور و فکر کی دعوت دی جاتی جس قدر ان میں غور و فکر اور ریسرچ و تحقیق سے کام لیا جائے گا اسی قدر اللہ کی وحدانیت، اس کی رحمت و محبت اور اس کی عظمت و قدرت پر نشانیاں اور دلیلیں حاصل ہو گی۔

ﷺ یہ آیت اس بات میں واضح ہے کہ اللہ اور بندوں کے درمیان اصلی رشتہ محبت و محبوبیت کا ہے جو ایمان کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ محبت کی چاشنی ہی انسان کو اللہ کی طرف کھینچتی اور اس کی فرمانبرداری میں لطف و سرور کی کیفیت پیدا کرتی ہے۔

ﷺ محبت و محبوبیت کا یہ رشتہ شرک سے نہیں قائم ہوتا ہے چنانچہ مشرک ان سے زیادہ محبت کرتے ہیں جن کو اللہ کا شریک یا اس کا مقابل ٹھہراتے ہیں۔ پھر ان تمام فوائد سے محروم رہتے ہیں جو خالص ایمان کے نتیجہ میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی رشتہ کے فوائد و اثرات اور شرک کی پیوندکاری کے نقصانات کی بحث راقم کی کتاب "حدیث کا درایتی معیار" میں ملے گی۔

بقیہ: حرفِ اول

کر سامنے آتی ہے جو قرآن کالج اور قرآن اکیڈمی کے قیام کی بنیاد ہے۔ یہ کتاب یعنی "اسلام اور پاکستان" پچھلے چند برسوں سے دستیاب نہیں تھی۔ اب حال ہی میں اس کا تیسرا ایڈیشن بہتر گیٹ اپ کے ساتھ طبع ہوا ہے۔ مناسب ہو گا کہ قارئینِ 'حکمتِ قرآن' مذکورہ بالا تینوں کتابچوں کے مطالعے کے لیے وقت نکالیں تاکہ قرآن کالج کے قیام کے پس پردہ کارفرما فکر و فلسفہ سے کماحقہ' باخبر ہو سکیں۔

الحمدللہ کہ قرآن کالج میں نئی ایف اے کلاس میں تعلیم و تدریس کا آغاز ہو گیا ہے۔ ایف اے میں داخلے کے لیے درخواست دینے والے طلبہ کی تعداد ہماری توقع سے زیادہ تھی۔ چنانچہ ہمیں اس کلاس کو دو حصوں (SECTIONS) میں تقسیم کرنا پڑا ہے۔ بی اے کلاس میں نئے داخلوں کا مرحلہ بھی طے پا چکا ہے اور ماہ اکتوبر کے ... میں ان شاء اللہ تعلیم کا باقاعدہ آغاز ہو جائے گا۔ یہ سب کچھ اللہ ہی کی تائید و توفیق کے طفیل ہے۔ اور دعا ہے کہ وہ اس ادارے کو فی الواقع خدمتِ قرآنی کا ایک اہم مرکز بنا دے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ۔

توضیح و تنقید

مولانا سید اخلاق حسین قاسمی

جنّت کا شجرِ ممنوعہ!

تازہ حکمتِ قرآن ستمبر ۸۹ء میں جناب صلاح الدین صاحب مدیرِ تکبیر کراچی کی تقریر کے حوالہ سے جنّت کے شجرِ ممنوعہ کی نہایت دل چسپ تاویل نظر سے گزری۔ اگر آپ کے 'حکمتِ قرآن' میں یہ بحث شائع نہ ہوتی تو مجھے یقین نہ آتا کہ برادرم صلاح الدین صاحب جیسا پختہ اسلامی مفکر ایسی بات منہ سے نکال سکتا ہے۔

دراصل نشہ کی حُرمت بیان کرتے ہوئے صلاح الدین صاحب کے خلّاق ذہن نے ایک آخری دلیل حُرمت وضع کر لی کہ انسانِ اوّل (جو اس وقت رسول بھی تھے) کو بھی خدا تعالیٰ نے نشہ کی چیزوں کے استعمال سے روکا تھا ــــ مگر وہ رک نہ سکے اور نشہ کر بیٹھے اور اس کے نتیجہ میں عُریاں ہو کر زمین پر پہنچا دیئے گئے۔

یہ تفسیر بالرائے کی بڑی دلچسپ (اور فتوے کی رُو سے موجبِ معصیت) مثال ہے۔ میں حکمتِ قرآن کے قاری صاحبان کو شجرِ ممنوعہ کی اس سے زیادہ دلچسپ مثال سُنانا چاہتا ہوں۔

حُسنِ اتفاق یہ کہ جس طرح صلاح الدین صاحب ایڈیٹر اور لیڈر دونوں عظمتوں کے مالک ہیں، اسی طرح وہ بزرگ بھی اپنے دَور میں بڑے لیڈر، بڑے صحافی اور بڑے جوشیلے خطیب تھے ــــ اور وہ تھے سرزمینِ پنجاب کے بطلِ جلیل مولانا ظفر علی خاں صاحب مرحوم ایڈیٹر زمیندار ــــ

مولانا مرحوم کے مضامین کا ایک مجموعہ لطائف ادب کے نام سے پہلی بار ۱۹۲۵ء میں چھپا تھا اور خاکسار نے اس میں شجرِ ممنوعہ کی عجیب و غریب تاویل دیکھ کر ایک تنقیدی مضمون ماہنامہ دارالعلوم دیوبند دسمبر ۱۹۵۸ء میں شائع کرایا تھا ــــ مرحوم نے

لکھا ہے :

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (البقرہ : ۳۵)

اے آدم تم اور تمہاری بیوی اس درخت کے پاس بھی ہو کر نہ گزرنا ورنہ تمہارا شمار ظلم کرنے والوں میں ہوگا۔

قرآن کی اصطلاح میں ظلم سے مراد شرک ہے۔ گویا آدم و حوّا کو متنبہ کیا گیا کہ اگر تم نے امر خداوندی سے سرتابی کی تو تم مشرک سمجھے جاؤ گے اور خدائے واحد کی ذات و صفات میں دوسرے کو شریک کرنے کا وبال تمہاری گردن پر ہوگا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ درخت جس کے نزدیک جانے سے آدم منع کیے گئے تھے کس قسم کا تھا؟ ـــــ اور اس کی حقیقت کیا تھی؟

ہمارے مفسّرین کہتے ہیں کہ وہ درخت گندم کا تھا، لیکن اس تاویل سے ان لوگوں کی تشفی نہیں ہو سکتی جو الفاظ کے لغوی مفہوم پر ہی قناعت کرنے کے خوگر ہیں۔ پھر اگر خدا تعالیٰ نے آدم کو درخت زیر بحث کا پھل کھانے سے روکا تو ظاہر ہے کہ یہ درخت از قبیل نباتات نہ تھا بلکہ کوئی تمثیلی استعارہ تھا جو آدم کی نوزائیدہ فطرت کو اس بدترین گناہ کی آلائش سے پاک رکھنے کے لئے تخویف اور ترہیب کے طور پر استعمال کیا گیا تھا جس کا ارتکاب انسان کو کفر کی حد تک پہنچا دیتا۔

اس بدیہی حقیقت کو قرآن حکیم نے خود یہ کہہ کر بے نقاب کر دیا ہے کہ

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ (ابراھیم : ۲۴)

اے محمدؐ! کیا تم نے اس حقیقت پر غور نہیں کیا کہ خدا نے نیک بات کو پاکیزہ درخت سے تشبیہہ دی ہے۔

آگے خدا تعالیٰ نے فرمایا :

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةٍ (ابراھیم : ۲۶)

اور ناپاک بات ناپاک درخت کے مشابہ ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جس درخت کے قریب جانے سے آدم کو روکا گیا وہ

کلمہ خبیثہ کا درخت تھا اور از بسکہ سب سے زیادہ گندی اور گھناؤنی اور ناپاک بات
جس کے کہنے اور کرنے سے انسان ظلم عظیم کا مرتکب ہوکر عتاب خداوندی میں
گرفتار ہوتا، شرک ہے۔
اس لئے اس امر میں ذرا بھی شک نہیں رہتا کہ شجر ممنوعہ (دوئی) کا خبیث درخت تھا

●

یہ عبارت اس وقت صفحات نمبر کے بغیر شائع ہوئی تھی۔ قارئین کرام کو مولانا ظفر علی خاں کی کتاب لطائف ادب کی ورق گردانی کی زحمت اٹھانی پڑے گی۔ اور مولانا مرحوم کے یہ ادبی اور تحقیقی تبرکات بھی یقیناً موجود ہوں گے۔

علماء پاکستان کے سامنے اب دو مثالیں تفسیر بالرائے کی ہیں:

ایک تاویل کی رُو سے حضرت آدم نے نشہ آور پھل کا استعمال کیا اور نشہ کی حالت طاری ہو جانے سے آپ عریاں ہو گئے۔

صلاح الدین صاحب کو اس کا خیال نہیں رہا کہ وہ پھل حضرت آدم کی رفیقۂ حیات حضرت حوّاء نے بھی استعمال کیا تھا ــــــ پھر ان پر کیا حالت طاری ہوئی؟

دوسری تاویل مولانا ظفر علی خاں صاحب کی ہے کہ حضرت آدم سے شجر شرک کے استعمال کی غلطی ہوئی ــــــ

پھر ایسے گناہ کے مرتکب کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟

راقم السطور نے مولانا ظفر علی خاں کی اصل غلط فہمی اپنے مضمون میں دور کرنے کی کوشش کی تھی کہ قرآن میں ظلم کے معنی ہر جگہ شرک کے نہیں ہیں۔ مولانا کو مغالطہ ہوا ہے۔

اس مراسلہ میں پورا جوابی مضمون نقل کرنا مشکل ہے اور علماء پاکستان کے تحقیقی جوابات سے استفادہ کا شدید انتظار رہے گا ــــــ

صلاح الدین صاحب کے جذبۂ حق پرستی سے ڈر لگتا ہے۔ عورت کی حکمرانی کے مسئلہ میں موصوف نے حمایت کرنے والے علماء دیوبند کو مولانا قاسم صاحب کی ناخلف اولاد کی پھبتی سے نوازا تھا۔

★★★

حکمتِ اقبال (۱۹)

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

خودی اور تخلیق (۶)

انسان کا اوّلین ظہور

آگے چل کر اقبال لکھتا ہے:۔

"انسان کا اوّلین ظہور کس طرح سے ہوا۔ سب سے پہلے جاحظ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ حیوان کی زندگی میں نقلِ مکان اور ماحول سے تغیّر پیدا ہوتا ہے۔ اخوان الصفا نے جاحظ کے خیالات کی مزید توضیح اور تشریح کی۔ تاہم ابن مسکویہ پہلا اسلامی مفکّر گزرا ہے جس نے انسان کے اوّلین ظہور کا واضح اور بعض پہلوؤں سے کلیتہً جدید نظریہ پیش کیا۔ یہ بالکل قدرتی بات تھی اور رُوحِ قرآن کے بالکل مطابق تھی کہ رومی حیات بعد الممات کے مسئلہ کو زندگی کے ارتقاء کا مسئلہ سمجھتا تھا۔ اس کے نزدیک یہ کوئی ایسا عقیدہ نہیں تھا جسے ہم خالص مابعد الطبیعیاتی قسم کے دلائل سے حل کر سکتے ہوں جیسا کہ بعض حکمائے اسلام نے سمجھا تھا۔ تاہم ارتقاء کا نظریہ دورِ حاضر کے لیے امید اور ولولہ نہیں بلکہ مایوسی اور پریشانی کو ساتھ لے کر آیا ہے۔ اس کا سبب دَورِ حاضر کے اس بے بنیاد مفروضہ کے اندر پایا جا سکتا ہے کہ انسان کی موجودہ حیاتیاتی اور نفسیاتی کیفیت یا حالت ارتقائے حیات کی آخری منزل ہے اور موت زندگی کی ایک واردات کی حیثیت سے کوئی تعمیری اہمیت نہیں رکھتی۔ اس دَور کے انسان کو ایک رومی کی ضرورت ہے جو اس کے

دل میں امید پیدا کر سکے اور زندگی کے لیے جوش اور ولولہ کی آگ بھڑکا سکے۔"
"ریاضیات کی ترّقی کے ساتھ ساتھ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام میں ارتقاء کا تصوّر بھی آہستہ آہستہ تعمیر پا رہا ہے۔ جاحظ پہلا شخص ہے جس نے اس بات کی طرف توجہ کی کہ ایک مقام سے دوسرے مقام کو سفر کر جانے سے پرندوں کے اندر جسمانی تغیرات رونما ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد ابن مسکویہ نے جو البیرونی کا ہمعصر تھا اس خیال کو ایک واضح نظریہ کی شکل دی اور اپنی مذہبی کتاب "الفوز الاصغر" میں اسے استعمال کیا۔ میں یہاں اس کے ارتقائی نظریہ کا اختصار پیش کرتا ہوں۔ اس کی علمی حیثیت کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف اس لیے کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کا فکر کس سمت میں حرکت کر رہا تھا۔ ابن مسکویہ کا خیال ہے کہ ارتقاء کے سب سے نچلے درجہ میں پودوں کو پیدا ہونے اور نشوونما پانے کے لیے کسی بیج کی حاجت نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ نوع کو بیج کے ذریعہ سے قائم رکھتے ہیں۔ اس قسم کے پودے جمادات سے صرف اس لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں کہ ان میں کسی قدر حرکت کی قوّت ہوتی ہے جو بلند درجہ کی نباتات میں اور ترقی کر جاتی ہے اور اپنا مزید اظہار اس طرح سے کرتی ہے کہ پودا اپنی شاخیں پھیلا دیتا ہے اور اپنی نوع کو بیج کے ذریعہ سے قائم رکھتا ہے۔ پھر حرکت کی قوّت رفتہ رفتہ ترقی کرتی ہے یہاں تک کہ ہم ایسے درختوں تک پہنچ جاتے ہیں جن کا تنا اور پتّے اور پھل ہوتے ہیں۔ ارتقاء کے ایک بلند تر درجہ پر نباتاتی زندگی کی اشکال اس قسم کی ہوتی ہیں کہ ان کو اپنی نشوونما کے لیے بہتر زمین اور آب و ہوا کی ضرورت ہوتی ہے۔ ارتقاء کے آخری درجہ میں انگور کی بیل اور کھجور کا درخت آتے ہیں جو گویا حیوانی زندگی کے دروازہ پر کھڑے ہیں۔ کھجور کے درخت میں جنسی امتیاز واضح طور پر نمودار ہو جاتا ہے۔ جڑوں اور ریشوں کے علاوہ اس میں ایک ایسی چیز بھی پیدا ہو جاتی ہے جو حیوان کے دماغ کی طرح کام کرتی ہے اور جس کی سلامتی

پر کھجور کے درخت کی زندگی کا انحصار ہوتا ہے۔ یہ نباتاتی زندگی کے ارتقاء کا بلند ترین مقام ہے جس کے بعد حیوانی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ حیوانی زندگی کی طرف پہلا قدم زمین میں گڑ جانے سے آزادی ہے، جو آزادیٔ حرکت کا پیش خیمہ ہے۔ یہ حیوانی زندگی کا اوّلین درجہ ہے، جس میں چھُونے کی حِس سب سے پہلے اور دیکھنے کی قوّت سب سے آخر میں نمودار ہوتی ہے۔ حِسوں کے ارتقاء سے حیوان حرکت کی آزادی حاصل کرتا ہے۔ جیساکہ کیڑوں مکوڑوں، رینگنے والے جانوروں، چیونٹیوں اور شہد کی مکھیوں کی صُورت میں ہوتا ہے۔ چوپایوں کی حیوانی زندگی گھوڑے میں اور پرندوں کی حیوانی زندگی باز میں اپنے کمال پر پہنچتی ہے اور آخر کار بندر میں جو ارتقاء کی سیڑھی پر حضرتِ انسان سے صرف ایک قدم پیچھے ہے، انسانیت کی سرحدوں تک جا پہنچتی ہے بعد کا ارتقاء ایسے حیاتیاتی تغیّرات پیدا کرتا ہے جس کے نتیجہ کے طور پر عقلی اور رُوحانی قوتیں بڑھتی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ انسانیت بربریّت سے نکل کر تہذیب کے میدان میں قدم رکھ لیتی ہے۔"

"اس طرح سے اسلامی فکر کے تمام خطوط کائنات کے حرکی یا ارتقائی تصوّر پر مرتکز ہو جاتے ہیں۔ اس نظریہ کو ابنِ مسکویہ کے اس تصوّر سے کہ زندگی ایک ارتقائی حرکت ہے اور ابنِ خلدون کے نظریّہ تاریخ سے اور تقویت ملتی ہے۔"

قصّہ آدم کی تشریح

قرآن حکیم میں آدم کا قصّہ لفظاً جس طرح سے بیان کیا گیا ہے اس کا ایک حصّہ یہ ہے کہ آدم کو خدا نے مٹی سے بنایا اور فرشتوں کو کہا کہ جب میں اسے بنا سنوار کر مکمل کر لوں اور اپنی روح اس میں پھونک دُوں تو تم اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑنا۔ آدم کو جنّت میں آزادی سے رہنے کی اجازت دی گئی، لیکن ایک خاص درخت کا پھل کھانے سے منع کر دیا گیا۔ آخر کار جنّت میں آدم نے خدا کی نافرمانی کی اور شجرِ ممنوعہ کا پھل کھا لیا۔ لہٰذا اللہ تعالےٰ نے آدم اور اس کی بیوی حوّا کو سزا کے طور پر جنّت سے

نکال کر زمین پر ڈال دیا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر زمین پر انسان کا ظہور ایک نہایت ہی طویل تدریجی اور تربیتی عمل سے ہوا ہے جیسا کہ نظریۂ ارتقاء کی رُو سے تسلیم کرنا ضروری ہے تو پھر قرآنی قصۂ آدم کی جو بظاہر زمین پر انسان کے اوّلین ظہور سے تعلّق رکھتا ہے توجیہ کیا ہے ؟ لہٰذا اقبال قصۂ آدم کے متعلق لکھتا ہے :

"اس قصّہ میں قرآن پرانے استعارات کو کسی حد تک قائم رکھتا ہے لیکن قصّہ کے معتدبہ حصّہ کو بدل دیا گیا ہے تاکہ اس کو بالکل نئے معنی پہنا دیئے جائیں قصّوں کو نئے معنی پہنانے اور ان کو زمانہ کی ترقی یافتہ روح کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کے لیے کلّی یا جزوی طور پر بدلنے کا قرآنی دستور ایک نہایت ہی اہم نکتہ ہے جسے اسلام کا مطالعہ کرنے والے مسلموں اور غیر مسلموں نے تقریباً ہمیشہ ہی نظر انداز کیا ہے ان قصّوں کو بیان کرنے سے قرآن کا مقصد شاذ ہی تاریخی ہوتا ہے بلکہ اس کا مقصد قریباً ہمیشہ ہی یہ ہوتا ہے کہ ان کو ایک ہمہ گیر اخلاقیاتی یا حکمیاتی مطلب پہنایا جائے اور قرآن اس مقصد کو اس طرح سے حاصل کرتا ہے کہ ایسے افراد یا مقامات کا نام حذف کر دیتا ہے جو کہانی کو ایک مخصوص تاریخی واقعہ کا رنگ دے کر اس کے معنی کو محدود کر دینے کا امکان رکھتے ہوں۔ اور نیز ان تفصیلات کو بھی حذف کر دیتا ہے جو بظاہر احساسات کی ایک مختلف سطح سے تعلّق رکھتی ہوں قصّوں کا اس قسم کا استعمال کوئی نئی بات نہیں، غیر مذہبی لٹریچر میں یہ عام ہے۔ اس کی مثال فاوسٹ (FAUST) کی کہانی ہے جسے گیٹے (GAETTE) کی عبقریت نے ایک بالکل ہی نیا مطلب پہنا دیا ہے۔"

اس کے بعد اقبال ہبوطِ آدم کے قصّہ پر مفصّل بحث کرتا ہے اور بحث کے بعد ذیل کے نتیجہ پر پہنچتا ہے۔

"اس طرح سے یہ بات آشکار ہو جاتی ہے کہ ہبوطِ آدم کا قرآنی قصّہ اس کرّہ ارض پر انسان کے اوّلین ظہور سے کوئی تعلّق نہیں رکھتا۔ اس کے برعکس اس کا مطلب یہ بتانا ہے کہ کس طرح سے انسان ایک ابتدائی حالت سے جو جبلّتی خواہشات

کے زیرِ فرمان ہوتی ہے ترقی کر کے اس حالت میں قدم رکھتا ہے جہاں اُسے ایک ایسی آزاد شخصیّت کی شعوری ملکیّت حاصل ہوتی ہے جو شک اور نافرمانی بھی کر سکتی ہے۔ ہبوطِ آدم کا مطلب کوئی اخلاقی گراوٹ نہیں بلکہ وہ انسان کا معمولی شعور کی حالت سے گزرنے کے بعد خود شعوری کی اوّلین جھلک کا دیکھنا ہے۔ اور پابندِ قدرت اور مجبور زندگی کے خواب سے بیدار ہونے کے بعد خود اپنی ذات کے اندر افعال اور واقعات کے علل و اسباب کی دھڑکن کو محسوس کرنا ہے۔"

انسانی تخلیق کی خصوصیات

جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں اقبال کا خیال یہ ہے کہ اگر انسان اپنی خودی کے اوصاف و خواص پر نگاہ ڈالے تو وہ "اسرارِ ازل" یعنی تخلیقِ کائنات کے اسرار و رموز کو جان سکتا ہے ؏

اسرارِ ازل جوئی بر خود نظرے واکن

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم انسانی تخلیق کی خصوصیات کا مشاہدہ اور مطالعہ کریں تو ان کی روشنی میں ہم خدا کی تخلیق اور کائنات کے عملِ ارتقاء کی خصوصیات کو بھی سمجھ سکتے ہیں۔ جب کوئی کمہار پانی میں گوندھی ہوئی چکنی مٹی کی چکوندی کو اپنے گھومتے ہوئے چاک پر رکھ کر ہمارے سامنے اپنے ہاتھوں سے مٹی کا ایک برتن بناتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی تخلیقی فعلیت ذیل کے خواص کو ظاہر کرتی ہے۔

۱۔ برتن کی تخلیق کی ایک ابتدا ہے اور ایک انتہا۔

۲۔ برتن اپنی ابتدا سے لے کر اپنی انتہا تک متواتر اپنے کمال کی طرف آگے بڑھتا ہے اور ابتدا اور انتہا کے درمیان بہت سے ضمنی مرحلوں سے گزرتا ہے۔

۳۔ اپنی ابتدا سے لے کر انتہا تک برتن کی پیہم ترقّی کا باعث کمہار کا ایک واحد مقصد یا نصب العین ہے جس کی وجہ سے اُس کی تخلیق ایک واحد، غیر منقسم اور مسلسل فعل بن جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ برتن کی ہر حالت اس کی گزشتہ حالت کی ارتقائی تبدیلی سے رونما ہوتی ہے۔

۴۔ برتن کی تخلیق کا مدّعا کمہار کے اس نصب العین کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ ایک مکمل اور خوبصورت برتن بنایا جائے۔ لہٰذا اس کا مدّعا حسن و کمال کی جستجو ہے۔

۵۔ برتن کے ارتقاء کے ہر مرحلہ پر کمہار کی فعلیت کا مقصد یہ ہے کہ اس کے سارے ماضی کا جو حاصل اس کے سامنے ہے اسے ایک خاص سمت میں بدل دیا جائے تاکہ وہ اس کے نصب العین کے قریب آجائے۔ برتن کے ارتقاء کے کسی مرحلہ پر بھی کمہار کی تخلیقی فعلیت کا مقصد یہ نہیں کہ وہ کوئی نئی چیز پیدا کر دے جو اس کی گزشتہ فعلیت کے نتیجہ کے ساتھ کوئی تعلّق نہ رکھتی ہو بلکہ اسے کالعدم کر کے یا نظر انداز کر کے اپنی جگہ بناتی ہو۔

۶۔ اگر برتن اپنے ارتقاء کے کسی مرحلہ پر وہ صورت اختیار نہ کرے جو اس نے کی ہے تو وہ اپنے ارتقاء کے اگلے مرحلہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اس کے ارتقاء کا ہر مرحلہ پچھلے مرحلہ سے پیدا ہوتا ہے اور اس کے ماضی کا ارتقاء اس کے مستقبل کے ارتقاء کی بنیاد بنتا ہے۔ اس کے باوجود اس کا مستقبل اس کے ماضی سے پیدا نہیں ہوتا، بلکہ کمہار کی قوّتِ ارادی سے پیدا ہوتا ہے۔

۷۔ کمہار کا مخفی اندرونی مقصد اس کی تخلیق کی آشکار خارجی صورت میں ظہور پاتا ہے اور جوں جوں اس کی تخلیقی فعلیت آگے بڑھتی جاتی ہے اس کا یہ مخفی اندرونی مقصد بھی زیادہ واضح اور آشکار ہوتا جاتا ہے اور کسی نکتہ رس دیکھنے والے کے لیے یہ بتانا زیادہ آسان ہوتا جاتا ہے کہ وہ درحقیقت کیا ہے اور آخر کار خارج میں کس طرح ظہور پذیر ہوگا۔

جدّہ میں

'حکمتِ قرآن' اور 'میثاق' کے قارئین پرچے کی سالانہ خریداری وغیرہ کے سلسلے میں درج ذیل پتے پر رابطہ کریں۔

افتخار الدین صاحب

منارہ مارکیٹ، حیّ العزیزیہ، جدہ فون: ۶۷۰۲۱۸۰

کے زیرِ فرمان ہوتی ہے ترقی کر کے اس حالت میں قدم رکھتا ہے جہاں اُسے ایک ایسی آزاد شخصیّت کی شعوری ملکیت حاصل ہوتی ہے جو شک اور نافرمانی بھی کر سکتی ہے۔ ہبوطِ آدم کا مطلب کوئی اخلاقی گراوٹ نہیں بلکہ وہ انسان کا معمولی شعور کی حالت سے گزرنے کے بعد خود شعوری کی اوّلین جھلک کا دیکھنا ہے۔ اور پابندِ قدرت اور مجبور زندگی کے خواب سے بیدار ہونے کے بعد خود اپنی ذات کے اندر افعال اور واقعات کے علل و اسباب کی دھڑکن کو محسوس کرنا ہے۔"

انسانی تخلیق کی خصُوصیات

جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں اقبال کا خیال یہ ہے کہ اگر انسان اپنی خودی کے اوصاف و خواص پر نگاہ ڈالے تو وہ "اسرارِ ازل" یعنی تخلیقِ کائنات کے اسرار و رموز کو جان سکتا ہے ع

اسرارِ ازل جوئی بر خود نظرے وا کن

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم انسانی تخلیق کی خصوصیات کا مشاہدہ اور مطالعہ کریں تو ان کی روشنی میں ہم خدا کی تخلیق اور کائنات کے عملِ ارتقاء کی خصوصیات کو بھی سمجھ سکتے ہیں۔ جب کوئی کمہار پانی میں گوندھی ہوئی چکنی مٹی کی چکونڈی کو اپنے گھومتے ہوئے چاک پر رکھ کر ہمارے سامنے اپنے ہاتھوں سے مٹی کا ایک برتن بناتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی تخلیقی فعلیت ذیل کے خواص کو ظاہر کرتی ہے۔

۱۔ برتن کی تخلیق کی ایک ابتدا ہے اور ایک انتہا۔

۲۔ برتن اپنی ابتدا سے لے کر اپنی انتہا تک متواتر اپنے کمال کی طرف آگے بڑھتا ہے اور ابتدا اور انتہا کے درمیان بہت سے ضمنی مرحلوں سے گزرتا ہے۔

۳۔ اپنی ابتدا سے لے کر انتہا تک برتن کی پیہم ترقّی کا باعث کمہار کا ایک واحد مقصد یا نصب العین ہے جس کی وجہ سے اُس کی تخلیق ایک واحد، غیر منقسم اور مسلسل فعل بن جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ برتن کی ہر حالت اس کی گزشتہ حالت کی ارتقائی تبدیلی سے رونما ہوتی ہے۔

۴۔ برتن کی تخلیق کا مدّعا کمہار کے اس نصب العین کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ ایک مکمل اور خوبصورت برتن بنایا جائے۔ لہٰذا اس کا مدّعا حسن و کمال کی جستجو ہے۔

۵۔ برتن کے ارتقاء کے ہر مرحلہ پر کمہار کی فعلیت کا مقصد یہ ہے کہ اس کے سارے ماضی کا جو حاصل اس کے سامنے ہے اسے ایک خاص سمت میں بدل دیا جائے تاکہ وہ اس کے نصب العین کے قریب آجائے۔ برتن کے ارتقاء کے کسی مرحلہ پر بھی کمہار کی تخلیقی فعلیت کا مقصد یہ نہیں کہ وہ کوئی نئی چیز پیدا کر دے جو اس کی گزشتہ فعلیت کے نتیجہ کے ساتھ کوئی تعلّق نہ رکھتی ہو بلکہ اسے کالعدم کر کے یا نظر انداز کر کے اپنی جگہ بناتی ہو۔

۶۔ اگر برتن اپنے ارتقاء کے کسی مرحلہ پر وہ صورت اختیار نہ کرے جو اس نے کی ہے تو وہ اپنے ارتقاء کے اگلے مرحلہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اس کے ارتقاء کا ہر مرحلہ پچھلے مرحلہ سے پیدا ہوتا ہے اور اس کے ماضی کا ارتقاء اس کے مستقبل کے ارتقاء کی بنیاد بنتا ہے۔ اس کے باوجود اس کا مستقبل اس کے ماضی سے پیدا نہیں ہوتا، بلکہ کمہار کی قوتِ ارادی سے پیدا ہوتا ہے۔

۷۔ کمہار کا مخفی اندرونی مقصد اس کی تخلیق کی آشکار خارجی صورت میں ظہور پاتا ہے اور جوں جوں اس کی تخلیقی فعلیت آگے بڑھتی جاتی ہے اس کا یہ مخفی اندرونی مقصد بھی زیادہ واضح اور آشکار ہوتا جاتا ہے اور کسی نکتہ رس دیکھنے والے کے لیے یہ بتانا زیادہ آسان ہوتا جاتا ہے کہ وہ درحقیقت کیا ہے اور آخر کار خارج میں کس طرح ظہور پذیر ہو گا۔

جدّہ میں

’حکمتِ قرآن‘ اور ’میثاق‘ کے قارئین پرچے کی سالانہ خریداری وغیرہ کے سلسلے میں درج ذیل پتے پر رابطہ کریں۔

افتخار الدین صاحب

منارہ مارکیٹ، حیّ العزیزیہ، جدہ فون: ۶۷۰۲۱۸۰

لغات و اعرابِ قرآن (۷)

پروفیسر حافظ احمد یار

سورۃ البقرہ (۲)

(ملاحظہ: کتاب میں حوالہ کے لیے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) کا ایک خاص طریقہ اختیار کیا گیا ہے جس کی وضاحت مقدمہ (حکمت قرآن فروری ۸۹ء) میں کردی گئی تھی۔ جن حضرات کی نظر سے وہ شمارہ نہیں گزرا۔ ان کے لیے دوبارہ اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔ [قطعہ بندی کے لیے سب سے پہلا دائیں طرف والا ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد اگلا دائیں طرف والا قطعہ نمبر (جو اس سورۃ میں سے زیر مطالعہ ہے) کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد تیسرا نمبر بحث اللغہ کے لیے ۱، البحث الاعراب کے لیے ۲، الرسم کے لیے ۳ اور الضبط کے لیے ۴ لکھا گیا ہے مثلاً ۱:۳:۲ کا مطلب ہے سورۃ الفاتحہ کے تیسرے قطعہ میں بحث الاعراب]۔

۲:۲ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ③

۱:۲:۲ اللغۃ

[اَلَّذِيْنَ] اسم موصول برائے جمع مذکر ہے جس کا اردو ترجمہ "جو کہ، جنہوں نے کہ، وہ لوگ جو کہ" وغیرہ سے کیا جا سکتا ہے۔ اسماء موصولہ پر سورۃ الفاتحہ آیت نمبر ۷ (۱:۶:۱) میں بات ہو چکی ہے۔ یا ضرورت ہو تو نحو کی کسی کتاب میں برائے استحضار "اسم موصول" کی بحث دیکھ لیجیے۔

۱:۲:۲ (۱) [يُؤْمِنُوْنَ] کا مادہ "ا م ن" اور وزن "يُفْعِلُوْنَ" ہے۔ یعنی یہ اس مادہ سے باب اِفعال کے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے ——

اس مادہ " امن " سے فعل ثلاثی مجرّد (۱) أَمِنَ يَأْمَنُ أَمْنًا (باب سمع سے) بمعنی "امن میں ہونا ، امن پانا ، چین پانا ، خاطر جمع ہونا ، بے خوف ہونا " وغیرہ ہمیشہ لازم اور اور بغیر صلہ کے آتا ہے ۔ اور (۲) أَمِنَ ..... يَأْمَنُ أَمْنًا (سمع سے ہی) بمعنی "....... سے بے فکر ہونا ، ...... کی طرف سے مطمئن ہونا ، .... سے بے خطر ہونا ، ..... سے امن میں رہنا " وغیرہ بطور فعل متعدی اور بغیر صلہ کے آتا ہے یعنی اس کا مفعول بنفسہ آتا ہے (أَمِنَهُ) ۔ اور (۳) أَمِنَ ..... يَأْمَنُ أَمَانَةً (سمع سے ہی) بمعنی "...... پر اعتبار کرنا ، ...... کو امین بنانا ، ...... کے پاس امانت رکھنا " آتا ہے ۔ اس صورت میں بھی یہ متعدّی اور بغیر صلہ کے استعمال ہوتا ہے ۔ یعنی " أَمِنَهُ " ہی کہیں گے ۔ (صرف مصدر میں فرق پڑتا ہے) ۔ البتّہ جو چیز امانت رکھی جائے یا جس چیز کے بارے میں اعتبار کیا جائے اس سے پہلے " علی " کا صلہ آتا ہے ۔ مثلاً کہیں گے " أَمِنَ زيدًا على ...... (كذا) " ۔ قرآن کریم میں یہ فعل ثلاثی مجرّد مذکورہ بالا تینوں معنی میں استعمال ہوا ہے اور فعل مجرّد سے ہی افعال اور اسماء مشتقہ کے چونسٹھ (۶۴) مختلف المعنی صیغے وارد ہوئے ہیں ۔ اس کے علاوہ باب اِفعال سے بکثرت اور باب افتعال سے ایک آدھ صیغہ آیا ہے ۔ ان کا بیان اپنی اپنی جگہ آئے گا ۔

جیسا کہ ابھی بیان ہوا ہے لفظ " یؤمنون " بھی اس مادہ سے باب اِفعال کا صیغۂ مضارع ہے ۔ اس باب سے فعل آمَنَ ...... يُؤْمِنُ إِيمَانًا ۔ جب " با " (بِ) کے صلہ کے ساتھ آئے [یعنی آمَنَ بِہٖ .....] تو اس کے معنی : "...... پر ایمان لانا ، ...... پر ایمان رکھنا ، ...... پر یقین کرنا یا لانا " ہوتے ہیں ۔ یعنی اس صورت میں عربی " با " (بِ) کا لفظی ترجمہ (...... کے ساتھ) کی بجائے اردو محاورہ کے مطابق (..... پر) سے کیا جاتا ہے [مگر عربی میں " آمَنَ علی ...." کہنا بالکل غلط ہے] ۔ لفظ " ایمان " (جو اس فعل کا مصدر ہے) اپنے اصل عربی بلکہ اصطلاحی اسلامی معنی کے ساتھ اردو میں بھی بطور اصطلاح مستعمل ہے[۱] عربی زبان کے متعدد کلمات اسی طرح

---

[۱] البتّہ اس لفظ کے معانی کی وسعت ، اہمیت اور اس کے تقاضوں کے (باقی اگلے صفحہ پر)

کسی اردو مصدر کے ساتھ ملا کر اپنے اصل عربی (لغوی) معنی میں استعمال ہوتے ہیں مثلاً "ایمان" لانا ، "مطمئن" ہونا ، "اعتراف" کرنا وغیرہ۔ کیونکہ ان کلمات کے اصل عربی معنی اردو میں متعارف اور متداول ہیں۔

اس باب "اِفعَال" سے ہی یہ فعل "آمَنَ" ایک دوسرے صلہ "لام (لِ)" کے ساتھ (مثلاً آمنَ لَہٗ) "سچ ماننا، مطیع ہونا یا وزن دینا" کے معنی میں آتا ہے اور بغیر صلہ کے (یعنی آمَنَہٗ) "امن دینا، امان دینا" کے معنی میں بھی آتا ہے اور قرآن کریم میں بھی یہ مذکورہ بالا تینوں معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ان کا ذکر بھی اپنے اپنے مقام پر آئے گا۔

۲:۲:۱ (۲) [**بِالْغَیْبِ**] یہ دراصل بِ + الغَیْب ہے اور اس میں "با" (بِ) تو فعل "یُؤمِنون" کا صلہ ہے جس کے معنی ابھی اوپر بیان ہوئے ہیں۔ "الغیب" معرّف باللام ہے اور (اصل لفظ) "غیب" کا مادہ "غ ی ب" اور وزن "فَعْل" ہے۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد غابَ یغِیبُ غَیْباً (دراصل غَیَبَ یَغْیِبُ) باب ضرب سے بغیر صلہ کے تو ہمیشہ لازم آتا ہے اور اس کے معنی "پوشیدہ ہونا، چھپا ہوا ہونا" ہوتے ہیں اور غابَ عن .... = ... سے پوشیدہ ہونا اور غابَ فی .... = ... میں چھپ جانا" کے معنی میں آتے ہیں۔ تاہم قرآن کریم میں اس مادہ (غیب) سے فعل ثلاثی مجرّد کا کوئی صیغہ استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ افعال میں سے تو صرف باب افتعال کا ایک صیغہ ایک جگہ [الحجرات : ۱۲] آیا ہے۔ البتہ اس مادہ (غیب) سے بعض مصادر اور مشتقات قرآن کریم میں آئے ہیں۔ خود لفظ "غیب" مختلف تراکیب میں پچاس سے زیادہ دفعہ آیا ہے۔ "غَیب" دراصل تو مصدر ہے بمعنی "چھُپنا"۔ مگر اکثر یہ اسم الفاعل (یعنی غائب) کے معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی "وہ جو انسانی حواس سے پوشیدہ ہے" یا جس کا علم حواس سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ چونکہ اردو میں یہ لفظ اپنے عربی معنی کے ساتھ مستعمل ہے

(تسلسل) بیان کے علاوہ دوسرے قریب المعنی الفاظ مثل اسلام، تصدیق وغیرہ سے اس کے فرق کی وضاحت وغیرہ کے لئے مستند کتبِ تفسیر و عقائد کی طرف رجوع کرنا چاہیئے

اس لئے بیشتر مترجمین نے اس کا ترجمہ "غیب" ہی رہنے دیا ہے۔ جب کہ بعض حضرات نے اسے "بے دیکھی چیزوں" "چھپی ہوئی چیزوں" "بن دیکھی باتوں" یا صرف "بے دیکھے" سے ترجمہ کیا ہے۔ ان میں حواس سے مراد صرف آنکھ لینا (دیکھنا) بڑا محدود سا مفہوم بنتا ہے "چھپی ہوئی چیزوں" والا ترجمہ زیادہ بہتر ہے اور خود لفظ "غیب" ہی رہنے دینا بھی نہایت موزوں ہے۔ [مصدر کے اسم الفاعل یا اسم المفعول کے معنی میں استعمال ہونے پر کلمہ "ربّ" اور کلمہ "کتاب" کے ضمن میں بات ہو چکی ہے]۔

۲:۲:۱(۳) [**وَيُقِيمُونَ**] میں واو (وَ) تو عاطفہ (بمعنی اَور) ہے اور "یقیمون" کا مادہ "ق و م" اور وزن اصلی "یُفْعِلُونَ" ہے جس کی شکلِ اصلی "یُقْوِمُونَ" تھی۔ جسے اہلِ زبان بدل کر "یقیمون" بولتے ہیں۔ صرفیوں نے جب اس نوعیت کے بہت سے کلمات کی تبدیلیوں پر غور کیا تو انہیں اس میں ایک قاعدہ کارفرما نظر آیا اور وہ یہ کہ "اس (قسم کے الفاظ) میں واو کی کسرہ (ـِ) اس کے ساکن ماقبل یعنی "ق" کو دے دی جاتی ہے اور پھر خود "واو" کو اب اپنے سے ماقبل کی حرکت کے موافق حرف (ی) میں بدل دیتے ہیں۔ اسی کو صرفی تعلیل بھی کہتے ہیں۔ اس قاعدہ کا استعمال آپ سورۃ الفاتحہ میں "نستعین" اور "مستقیم" میں دیکھ چکے ہیں۔

اس مادہ (قوم) سے فعل ثلاثی مجرد قام یقوم قیاماً (دراصل قَوَمَ یَقْوُمُ قِوامًا) باب نصر سے آتا ہے اور اس کے کئی معنی ہوتے ہیں مثلاً "(۱) کھڑا ہونا، کھڑے رہنا (۲) اٹھ کھڑے ہونا (۳) رک جانا، ٹھہر جانا (۴) برپا ہونا (۵) واقع ہونا اور (۶) درست ہونا"۔ یہ فعل (قام یقوم) عموماً لازم اور بغیر صلہ کے آتا ہے۔ مختلف صلات [مثلاً قام بِ ......، قام لِ ......، قام الی ......، قام علی ......] کے ساتھ یہ مختلف معنوں کے لئے آتا ہے۔ اور یہ تمام استعمالات قرآن کریم میں آئے ہیں جن کا بیان اپنی اپنی جگہ آئے گا۔

یؤمنون کی طرح "یُقِیمُون" بھی باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے، جس کی اصل صورت اور تعلیل صرفی پہ بات ابھی اوپر گزر چکی

ہے۔ باب افعال سے یہ فعل أقام ...... يُقِيمُ إِقَامَةً [دراصل أَقْوَمَ يُقْوِمُ إِقْوامًا] عمومًا ـ بلکہ اکثر ـ متعدی اور بغیر صلہ کے آتا ہے ۔ اس کے بنیادی معنی تو ہیں : "...... کو کھڑا کرنا ' ...... کو سیدھا کھڑا کرنا "۔ اور موقع استعمال کے لحاظ سے یہ متعدد معانی کے لئے آتا ہے ۔ مثلاً (۱) ...... کو قائم رکھنا (۲) ...... کو برپا کرنا ' ..... کو کھڑا کرنا (۳) ...... کو درست کرنا ' ...... کو ٹھیک حالت میں لانا ' (۴) ...... کو سیدھا کرنا ' ...... کا انتظام کرنا (۵) ..... کو اٹھانا یا اٹھا دینا (۶) ...... کو سیدھا رکھنا (۷) ..... کو درست رکھنا (۸) ..... کو قائم کرنا ' ..... کو نافذ کرنا ۔ (۹) ..... کو برقرار رکھنا (۱۰) ..... کو سرانجام دینا (۱۱) ..... کو اس کا حق پورا پورا ادا کرنا (۱۲) ..... کو تمام شرائط کے ساتھ پورا کرنا ۔ وغیرہ[1]

● بعض صلات (مثلاً بِ ' فی ' علی ' لِ) کے ساتھ یہ فعل بطور لازم کے بھی آتا ہے [جیسے أقام بالمکان = ... میں قیام کرنا یا ٹھہرنا ۔ أقام علی الامرِ = ... پر قائم رہنا ' ..... میں لگے رہنا وغیرہ] ـــــــ تاہم قرآن کریم میں یہ فعل (أقام) ان صلات کے ساتھ اور بطور فعل لازم کسی جگہ استعمال نہیں ہوا[2]۔

قرآن کریم میں اس باب (افعال) سے اس فعل (اِقامۃ) کے مختلف صیغے چوّن (۵۴) مقامات پر آئے ہیں ۔ اور ہر جگہ متعدی اور اپنے مفعول کے ذکر کے ساتھ استعمال ہوئے ہیں ۔ اس فعل کے اس متعدی استعمال کا تقاضا ہے کہ اردو میں ترجمہ کرتے وقت یا تو اس کے فاعل کے بعد " نے " آئے یا اس کے مفعول سے پہلے " کو " لگے ۔ اور بعض جگہ " کو " کی جگہ " کا " زیادہ با محاورہ معلوم ہوتا ہے ۔

فعل (اقام) کے بارے میں یہ نکتہ (فعل کا متعدی ہونا) ذہن میں رکھئے ۔ آگے

۱ے تفصیل کے لئے دیکھئے LANE کی "مدّالقاموس" یا راغب کی " المفردات " تحت مادہ " قوم "

۲ے سوائے ایک جگہ (النحل : ۸۰) کے جہاں اس فعل کا مصدر " اقامۃ " بمعنی " قیام کرنا " یا " ٹھہرنا " آیا ہے اور دراصل وہاں بھی ایک مفعول فیہ مقدر ہے ۔ یعنی فعل متعدی ہی ہے ۔

چل کر اس فعل کے مختلف معنی سمجھنے میں یہ ممد ثابت ہوگا۔ اور بعض حضرات نے جو اس کا ترجمہ بطور "فعل لازم" کر ڈالا ہے اس کی غلطی بھی واضح ہو سکے گی۔

۲:۲ : ۱ (۴) [**الصّلٰوۃ**] کا مادہ "ص ل و" اور وزن اصلی لام تعریف کے بغیر "فَعُلَۃٌ" بھی ہو سکتا ہے اور "فَعَلَۃٌ" بھی اور اس کی شکل اصلی "صَلُوَۃٌ" یا "صَلَوَۃٌ" تھی۔ دونوں صورتوں میں تعلیل صرفی [واو متحرکہ ماقبل مفتوح کا الف میں بدلنا] کے بعد وزن "فَعَاۃٌ" رہ جاتا ہے۔ اور لفظ کی شکل "صلاۃ" ہو جاتی ہے جس کی املاء (قرآن میں تو) عموماً "صلوۃ" ہوتی ہے۔

● اس مادہ (صلو) سے فعل ثلاثی مجرد "صلا یصلُو صَلْوًا" (باب نصر سے) بمعنی "صَلا" پر مارنا" ــــ اور صلِیَ یَصْلیٰ صَلاً (باب سمع سے اور دراصل صَلِوَ یَصْلَوُ) بمعنی "صَلا" میں جھکاؤ پیدا ہونا یا اس کا ڈھیلا ہونا" آتا ہے[1]۔ تاہم نہ تو یہ فعل قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے اور نہ ہی اس کے معنی کا لفظ "صلوۃ" کے ساتھ کوئی خاص تعلق ہے۔ (کھینچا تانی اور تکلف الگ بات ہے)۔ البتہ اس مادہ (صلو) کے بابِ تفعیل ــــ صلّی یُصلِّی۔ (دراصل صَلَّوَ یُصَلِّوُ) سے افعال اور بعض مشتقات کے پندرہ (۱۵) کے قریب صیغے آئے ہیں۔

● لفظ "صلوۃ" اسی فعل ــــ صلّی یصلِّی بمعنی "نماز پڑھنا" کے مصدر کے طور پر استعمال ہوتا ہے یعنی صَلّی یصلِّی صلوٰۃً کہتے ہیں۔ "تصلیۃً" نہیں کہتے۔ اس لئے کہ صلّی یصلّی تصلیۃً (وادی یعنی "صلو" سے) کے معنی تو ہیں "گھوڑے کا دوڑ

---

[1] اور "صلا" (جو دراصل "صَلَوٌ" ہے) اونٹنی یا گھوڑی۔ (یا گائے بھینس)۔ کے جسم کے اس حصے کو کہتے ہیں جہاں سے پیٹھ یا کمر کا حصہ نیچے کی طرف مڑتا ہے۔ یعنی دُم سے اوپر اور پیٹھ کے نیچے دونوں طرف کا حصہ۔ جو بچہ کی پیدائش سے پہلے نیچے جھک جاتا ہے۔ بلکہ دُم سے اوپر دونوں جانب گڑھے سے نمودار ہو جاتے ہیں۔ "صلا" (پنجابی ڈھگ) بلکہ دونوں "صلا" (صَلَوَانِ یعنی تثنیہ) کا یہ جھکاؤ جانوروں میں ان کے بچّے کی ولادت کے قرب (نزدیک ہونے) کی یقینی علامت ہوتی ہے۔

میں دوسرے نمبر پر آتا" جن کا لفظ "صلوٰۃ" سے کچھ تعلق نہیں۔ "کوملبس" بننے کی خواہش الگ بات ہے) اور یہ فعل اپنے ان معنوں کے ساتھ قرآن مجید میں کہیں استعمال بھی نہیں ہوا ہے۔ اور صَلّٰی یُصَلِّی تَصْلِیَۃً (بابِ ۔ صلی سے) کے معنی "آگ میں جلانا" ہیں۔ اس کا یہ استعمال قرآن کریم میں بھی آیا ہے۔ اور اس پر اپنے موقع پر بات ہوگی۔

بعض حضرات نے اس لفظ (صلوٰۃ) کے بنیادی معنی توجّہ اور انعطاف یا "جھکاؤ" اور "میلان" لئے ہیں۔ اور بعض نے "صلوٰۃ" کی وجہ تسمیہ یا معنوی مناسبت یہ نکالی ہے کہ اس میں آدمی (بحالت رکوع وسجدہ) اپنی "صلا" (پیٹھ کے آخری حصّے یعنی کمر) کو حرکت دیتا ہے۔ مذکورہ بالا دونوں معنی (خصوصاً پہلے معنی) کی فعل ثلاثی مجرّد کے معنی کے ساتھ ایک مناسبت تو بنتی ہے تاہم اس لفظ (صلوٰۃ) کے معروف اصل معنی "دعا" کے ہیں۔ بلکہ بعض اہلِ علم نے اسی لئے لکھا ہے کہ "صلوٰۃ" بمعنی "دعا" اتنا مشہور ہے کہ اس کا اشتقاق کسی غیر معروف (اور قرآن میں غیر مستعمل) عجیب وغریب فعل سے تلاش کرنا یا ثابت کرنا "کارِ بے کاراں" ہے[2] اور اس کا فعل (صَلّٰی یُصَلِّی صلوٰۃً) "علی" کے صلہ کے ساتھ تو بنیادی طور پر اپنے اندر "دعا" (خصوصاً دعائے رحمت وبرکت) کے ہی معنی رکھتا ہے۔ البتہ موقع استعمال کے لحاظ سے اس کا مناسب ترجمہ کر لیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ یہ فعل کبھی اللہ عزّوجل کی طرف منسوب ہوتا ہے، کبھی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف، کبھی فرشتوں کی طرف اور کبھی اہلِ ایمان کی طرف ۔ ان استعمالات پر اپنے موقع پر بات ہوگی۔

مندرجہ بالا بحث کا تعلق تو لفظ "صلوٰۃ" کے لغوی معانی سے تھا۔ تاہم یہ لفظ

---

[1] یہاں سے یہ نکتہ ذہن میں رکھ لیجئے کہ کسی "مادہ" سے مستعمل تمام افعال اور دیگر مشتقات میں ہمیشہ کسی بنیادی معنوی یکسانیت یا مشابہت کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔ اس کی متعدد مثالیں آگے چل کر ہمارے سامنے آئیں گی۔

[2] روح المعانی ج ۱ ص ۱۱۶۔

دینِ اسلام میں ایک اصطلاحی معنی رکھتا ہے اور اس سے مراد " مسلمانوں کی معروف عبادت" ہے۔ جس کے لیئے ہمارے ہاں فارسی سے آنے والا لفظ " نماز " استعمال ہوتا ہے۔ جس کے اصل معنی چاہے کچھ ہوں لیکن بعض دوسری اسلامی اصطلاحات (خدا، فرشتہ، روزہ، دوزخ، بہشت وغیرہ) کی طرح اب یہ لفظ بھی اسلامی اصطلاح بن گیا ہے اور " صلوۃ " کے مترادف (IDENTICAL) ہوچکا ہے اور دنیائے اسلام کے مشرقی حصّوں میں یہ ایک جانا پہچانا لفظ ہے۔ اس لیئے اس کا استعمال اتنا غلط بھی نہیں ہے۔ البتہ اس کی بجائے لفظ " صلوۃ " کا استعمال بہتر ضرور ہے[1]۔

اپنے اصطلاحی معنی کے لحاظ سے لفظ " صلوۃ " ان الفاظ میں سے ہے جو دینِ اسلام اور پیغمبرِ اسلام (صلّی اللہ علیہ وسلم) نے عربی زبان کو دیئے ہیں۔ اسلام سے پہلے یہ لفظ ان موجودہ (مسلمانوں کی معروف عبادت کے) معنوں میں استعمال نہیں ہوتا تھا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے ۲۳ برس کے مسلسل عمل سے نہ صرف لفظ " الصلوۃ " کے معنی متعیّن کر دیئے بلکہ " اقامۃ الصلوۃ " [یقیمون الصلوۃ] کا پورا طریقہ اور اس کے ظاہری تقاضے (مسجد، اوقات، اذان، جماعت وغیرہ) سمجھانے کے علاوہ اس کے باطنی تقاضوں اور اس کی " روح " سے بھی کما حقہٗ آگاہ فرمادیا۔ خیال رہے کہ " صلّی یصلّی " (نماز پڑھنا یا ادا کرنا) اور " اَقَامَ الصَّلٰوۃَ " (نماز قائم کرنا)[2] میں بڑا فرق ہے۔ " اقامۃ الصلوۃ " سے مراد " نماز کو

---

[1] یہ عجیب بات ہے کہ بعض حضرات " اللّٰہ " کی بجائے تو " خدا " بلکہ " قانونِ خداوندی " جیسے عجمی الفاظ استعمال کرتے ہیں مگر انہوں نے " نماز " کو عجمی لفظ سمجھ کر اپنے " مفہوم قرآن " سے یکسر خارج کر دیا ہے۔ اس کا بدل انہوں نے " اجتماعاتِ صلوۃ میں شرکت " اختیار کیا ہے مگر وہ بھی کچھ اس قسم کے ذو معنی یا مبہم انداز میں کہ چاہیں تو اس سے " باجماعت نماز " مراد لے لیں اور چاہیں تو کسی انجمن یا بزم یا جماعت وغیرہ کے " اجلاس " سمجھ لیں۔

[2] عربی میں مصدری معنی سمجھانے کے لئے مصدر کے علاوہ " ماضی مضارع " کے پہلے صیغے یا صرف ماضی کے پہلے صیغے سے کام لیتے ہیں۔

اس کی تمام شرائط اور تقاضوں کے ساتھ اداء کرنا اور اس میں بغیر کسی کمی بیشی کے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے طریقے کا اتباع کرنا" ہے۔ [لفظ "اقام" (تحت یقیمون) کے لغوی معانی پر بھی ایک دفعہ پھر نظر ڈال لیجئے]۔

ان ہی لغوی اور اصطلاحی معنوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اردو مترجمین قرآن نے اس حصہ آیت (یقیمون الصلوۃ) کا (مصدری) ترجمہ (۱) "نماز کو قائم رکھنا"، "نماز قائم رکھنا" (۲) "نماز کو درست کرنا" (۳) "نماز کو درست رکھنا" (۴) "نماز کو درستی سے ادا کرنا" (۵) "ادب کے ساتھ نماز پڑھنا" (۶) "نماز کی پابندی کرنا" کی صورت میں کیا ہے۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ان میں سے بیشتر "تفسیری تراجم" ہیں۔ بعض حضرات نے صرف (۷) "نماز پڑھنا بھی لے لیا ہے جو اتنا اچھا ترجمہ نہیں بنتا۔ باقی تمام ترجموں میں لفظ "أقام" کے لغوی اور دینی تقاضے جھلکتے نظر آتے ہیں۔

[وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ] یہ دراصل وَ + من + ما + رزقنا + ھم (یعنی پانچ کلمات کا مجموعہ ہے۔ اس میں "وَ" تو عاطفہ بمعنی "اور" ہے۔ آخری "ھم" ضمیر منصوب بمعنی "ان کو" ہے۔ کلمات "مما" اور "رزقنا" کی الگ الگ وضاحت کی جاتی ہے۔

۱:۲:۲ (۵) [مِمَّا] دراصل دو کلمات "مِنْ" (حرف جار بمعنی "میں سے") اور "مَا" (موصولہ بمعنی "جو کچھ کہ") پر مشتمل ہے۔ اس طرح اس کا لفظی ترجمہ ہو گا "اس میں سے جو کچھ کہ" ــــ یہ دونوں کلمات یعنی "من" اور "ما" عربی زبان (اور قرآن کریم) میں بکثرت استعمال ہوئے ہیں اور ان میں سے ہر ایک متعدد معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان کلمات کے لغوی استعمالات پر بات کر لی جائے تاکہ آئندہ ان کے معنی سمجھنا آسان ہو۔

ــ "مِنْ"، مشہور حرف الجر ہے اور اس کا عام ترجمہ تو "...میں سے" یا صرف "......سے" ہی کیا جاتا ہے۔ تاہم مواقع استعمال کے لحاظ سے اس میں مختلف مفہوم پیدا ہوتے ہیں۔ معاجم (ڈکشنریوں) اور کتب نحو میں اس کے متعدد

معانی کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ان میں سے اہم اور کثیر الاستعمال یہ ہیں :۔

(۱) ابتداء الغایہ کے لئے یعنی کسی جگہ یا وقت سے شروع کر کے آگے کسی وقت یا جگہ (تک) کے لئے۔ اسے "من ابتدائیہ" کہتے ہیں اور اس کا اردو ترجمہ "..... سے"، "..... سے لے کر"، "..... کی طرف سے" کی صورت میں کر سکتے ہیں۔

(۲) مجاوزۃ یعنی "آگے نکلنے" کا مفہوم ظاہر کرنے کیلئے جیسے کسی افعل التفضیل کے ساتھ۔ اس صورت میں اس کا اردو ترجمہ تو "..... سے" ہی ہوگا مگر مفہوم "..... کی نسبت یا ..... کے مقابلے پر" کا ہوگا۔ اسے "من تفضیلیہ" کہہ سکتے ہیں۔

(۳) تبعیض کے لئے یعنی کسی چیز میں سے کچھ حصّہ (بعض) کو ظاہر کرنے کے لئے اسے "مِنْ تبعیضیہ" کہتے ہیں اور اس صورت میں اس کا اردو ترجمہ "..... میں سے کچھ" یا صرف "..... میں سے" بھی کیا جا سکتا ہے۔

(۴) تبیین یا بیان کے لئے یعنی کسی ابہام (عدم وضاحت) کو دور کرنے کے لئے یا کسی چیز یا جنس وغیرہ کی وضاحت کے لئے۔ اسے "مِنْ بیانیہ" کہتے ہیں۔ اور اس کا اردو ترجمہ "..... کی قِسم سے"، "از قِسم ....." یا "..... از انجملہ" کی صورت میں کر سکتے ہیں۔

(۵) کسی عموم کی تنصیص (قطعیت) یا تاکید کے لئے۔ یہ عمومًا کسی نفی یا استفہام یا نھی کے ساتھ آتا ہے اور اس کا مجرور ہمیشہ نکرہ ہوتا ہے جیسے "وما مِن الٰہٍ الا اللّٰہُ"۔ اس "مِن" کا اردو ترجمہ "کوئی بھی ....."، "کچھ بھی ....." سے کیا جاتا ہے۔

(۶) تعلیل کے لئے یعنی کسی کام کا سبب بتانے کے لئے اس صورت میں اس "مِنْ تعلیلیہ" کا اردو ترجمہ "..... کی وجہ سے"، "..... کے سبب سے" کیا جاتا ہے۔

(۷) بدل کے لئے یعنی کسی چیز کا عوض ظاہر کرنے کے لئے۔ تب اس کا اردو

ترجمہ "......کے بدلے"، "......کی بجائے" کیا جا سکتا ہے۔
(۸) اس کے علاوہ "مِن" کبھی کسی دوسرے حرفِ جار کی جگہ یعنی اس کے معنوں میں بھی استعمال ہو جاتا ہے خصوصاً "با" (بِ) بمعنی "کے ساتھ"، عَنْ بمعنی "......کے بارے میں"، فِی بمعنی "میں" یا "سے"، علیٰ بمعنی کے مقابلے پر یا اوپر" اور عند (ظرف) "کے پاس۔ کے ہاں" کے معنوں میں آتا ہے۔

"مِن" کی یہ ممکن صورتیں یہاں اس لئے بیان کر دی گئی ہیں کہ آگے چل کر جہاں جہاں "مِنْ" آئے گا تو ہم یہ تبادیا کریں گے کہ یہاں "مِنْ" بیانیہ ہے یا تبعیضیہ ہے یا تنصیص و تاکید عموم کے لئے ہے یا فلاں حرف الجر کے معنی میں آیا ہے وغیرہ وغیرہ تاکہ آپ کو اس کے مطابق **اصل لفظی** اردو ترجمہ معلوم ہو جائے۔

— "**ما**" عربی زبان میں "مَا" کے معانی اور مواقع استعمال بھی متعدد ہیں۔ ان میں سے زیادہ عام اور بکثرت استعمال کی صورتیں حسب ذیل ہیں:۔
(۱) "**ما**" موصولہ: یعنی الذی کے معنوں میں مگر اس فرق کے ساتھ کہ یہ (مَا) زیادہ تر "غیر عاقل" چیزوں کے لئے آتا ہے اور مبنی بھی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ "جو کہ" ہے تاہم سیاقِ عبارت کے لحاظ سے "جسے"، "جس کو"، "جس کا" سے بھی ترجمہ ہو سکتا ہے۔ چونکہ اس میں عموم (اور وسعت) کے معنی بھی ہوتے ہیں اس لئے بعض مترجمین اس کا ترجمہ "جو کچھ کہ" (بمعنی "جو کچھ بھی کہ") سے کیا ہے۔ اگرچہ بعض نے صرف "جو" سے بھی کام چلا لیا ہے۔
(۲) "ما" استفہامیہ: یعنی یہ اسم استفہام کے طور پر بھی آتا ہے اس صورت میں اس کا اردو ترجمہ "کیا؟"، "کون سی چیز" سے کیا جاتا ہے۔
کبھی اس کے ساتھ "ذا" لگا دیتے ہیں۔ "ماذا" کا ترجمہ عموماً "کیا کچھ" کرتے ہیں۔
(۳) "مَا" نافیہ: کسی فعل (ماضی) میں منفی معنی پیدا کرنے کے لئے شروع میں لگتا ہے۔

اس وقت اس کا ترجمہ " نہ " یا " نہیں " کیا جاتا ہے ۔

(۴) "ما" الحجازیہ یا " ما " مشابہۃ بِلَیْسَ : یہ عموماً جملہ اسمیہ کے شروع میں لگاتے ہیں جس سے خبر منصوب ہو جاتی ہے یا خبر پہ " بِ " لگا کر اسے مجرور بولتے ہیں ۔ چونکہ " لَیْسَ " بھی جملہ اسمیہ کے شروع میں آکر یہی عمل کرتا ہے ۔ اس لئے اسے " مشابہ بلیس " بھی کہتے ہیں ۔ اس سے نفی میں ایک زور پیدا ہوتا ہے ـــ عربی گرامر کی عام کتابوں میں اسے بھی " ما نافیہ " لکھ دیتے ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ " ما نافیہ " وہ ہوتا ہے جو کسی فعل (ماضی یا مضارع) کے شروع میں لگ کر اس میں منفی کے معنی پیدا کرتا ہے ۔

(۵) " ما ظرفیہ جس میں عموماً وقت کا مفہوم موجود ہوتا ہے ۔ اردو میں اس کا ترجمہ " جب تک " ، " جتنی دیر تک " کیا جا سکتا ہے اس کے علاوہ " ما " کو تعجّب اور مصدر کے معنی پیدا کرنے کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے ۔

" مَا " کے متعلق بھی یہ تفصیل یہاں اس لئے بیان کی گئی ہے کہ آئندہ جہاں جہاں لفظ " مَا " آئے گا ہم یہ بتا دیا کریں گے کہ (مثلاً) یہ ما موصولہ ہے یا استفہامیہ ہے یا حجازیہ ہے وغیرہ ۔ اس طرح آپ کو اس کا لفظی اردو ترجمہ معلوم کر لینے میں آسانی ہو گی ۔

یہاں آیت زیر مطالعہ میں " مِن " تبعیضیہ " اور " ما " موصولہ ہے ۔ اس لئے اس کا اصل ترجمہ (لفظی) تو ہو گا " اس میں سے جو کچھ بھی کہ ......"

۲ : ۲ : ۱ (۶) " رَزَقْنَا " کا مادہ " رزق " اور وزن " فَعَلْنَا " ہے ۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد رَزَقَ ..... یَرْزُقُ رِزْقًا (باب نصر سے) آتا ہے اور اس کے معنی ہیں (۱) ..... کو ..... عطا کرنا (۲) ..... کو ..... دینا (۳) ..... کو روزی دینا (۴) ..... کا شکر ادا کرنا ـــ یہ فعل ہمیشہ متعدّی اور بغیر صلہ کے آتا ہے ـــ مقدم الذکر (پہلے) دو معنوں (دینا ۔ عطا کرنا) کی صورت میں اس کے لئے دو مفعول درکار ہوتے ہیں ۔ [جس کو دیا جائے اور جو چیز دی جائے] ۔ اور تیسرے اور چوتھے معنی کے لئے صرف ایک مفعول درکار ہوتا ہے ۔ قرآن کریم میں اس فعل کا استعمال زیادہ تر ایک مفعول کے ساتھ ہوا ہے ۔ یا مفعول کے ساتھ " مِنْ " یا " ما " کا استعمال زیادہ ہوا ہے جیسے یہاں

آیت زیرِ مطالعہ میں " مَا " آیا ہے ۔ ایسے موقع پر " ما موصولہ " کو " ما مصدریہ " کے معنوں میں بھی لیا جا سکتا ہے ۔ یعنی " مِمَّا رَزَقْنَا " بمعنی " مِنْ رِزْقِنَا " (ہماری عطاء سے) لیا جا سکتا ہے اور اسی کا بامحاورہ اردو ترجمہ " ہمارا دیا " ہے ۔ اور " مِمَّا رزقناھم " کا ترجمہ " ہماری دی ہوئی روزی میں سے " کرنے کی وجہ بھی یہی مصدری معنی کی بنا پر درست ہو سکتے ہیں ورنہ یہ ترجمہ لفظوں سے تو بہت دور ہے ۔

۲:۲ : ۱ (۷) [يُنْفِقُوْنَ] کا مادہ " ن ف ق " اور وزن " يُفْعِلُوْنَ " ہے ۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد نَفَقَ ینفُق نَفاقًا (باب نصر سے) بمعنی (تجارت کا) رونق پانا آتا ہے اور نفِق ینفَق نَفَقًا (باب سمع سے) بمعنی (رقم کا) ختم ہو جانا یا کم رہ جانا ۔ اور بعض دیگر معانی کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے ۔ تاہم قرآن کریم میں اس سے فعل ثلاثی مجرّد کا کوئی صیغہ نہیں آیا ۔ البتہ اس (مادہ) سے مزید فیہ کے ابواب اِفعال اور مفاعلہ سے کچھ افعال اور بعض مشتقات بکثرت آئے ہیں ۔

" ینفقون " بابِ افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے ۔ اِنفاق ۔ اَنفَق ..... یُنفِق اِنفاقًا کے معنی ہیں : ..... کو خرچ کرنا یا ..... کو خرچ کر ڈالنا ۔ ان معنوں کے لئے یہ فعل ہمیشہ متعدی اور بغیر صلہ کے آتا ہے ۔ اور قرآن کریم میں یہ فعل زیادہ تر ان ہی معنی کے لئے آیا ہے ــــ عربی زبان میں یہ فعل بعض دفعہ " لازم " کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے ۔ مثلاً اَنفَقَ الرَّجلُ = خرچ کے لئے کچھ پاس نہ رہنا ــــ بے زادِ راہ رہ جانا ۔ اَنفَقَ التاجرُ = گاہک زیادہ ہونا ۔ کاروبار بڑھنا ۔ تیزی میں آنا یا زیادہ بکری والا ہونا وغیرہ ــــ تاہم قرآن کریم میں یہ فعل نہ تو بطور فعل لازم آیا ہے اور نہ ہی " خرچ کرنا " کے علاوہ کسی اور معنی میں استعمال ہوا ہے ۔

یہ تو اس لفظ (انفاق) کی لغوی بحث تھی ۔ تاہم ــــ صلوٰۃ کی طرح ــــ یہ لفظ اپنے ایک اسلامی اصطلاحی معنی بھی رکھتا ہے ۔ اس سے محض " خرچ کرنا " کی بجائے عموماً " انفاق فی سبیل اللّٰہ " (اللہ عزوجل کی راہ میں خرچ کرنا) مراد لیا جاتا ہے ۔

قرآن کریم میں کبھی تو اس مقصد کے لئے اس فعل کے ساتھ "فی سبیل اللہ" یا "ابتغاء مرضات اللہ یا "ابتغاء وجہ اللہ" کے الفاظ مذکور ہوتے ہیں۔ اور کبھی ان قیود کے بغیر مطلقاً استعمال سے بھی معنیٔ مراد ہی ہوتے ہیں ـ جیسے آیت زیرِ مطالعہ میں ہے ۔

قرآن کریم میں یہ فعل (اِنفاق) اور اس کے مشتقات کم ازکم ستر (۷۰) مقامات پر آئے ہیں اور اس کا استعمال لغوی اور اصطلاحی دونوں طرح ہوا ہے ۔ اور عموماً آیت کا سیاق وسباق یا بعض دفعہ کوئی قولِ ماثور معنیٔ مراد کی تعیین میں مدد دیتا ہے ۔ جیسا کہ اپنے اپنے موقع پر واضح ہوگا۔

۲:۲:۲ الاعراب

(الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلوۃ ومما رزقنھم ینفقون ۞)

[الذین] کی بلحاظ اعراب یہاں تین صورتیں ممکن ہیں ـ دو رفع کی اور ایک صورت جر کی بنتی ہے ۔ بعض نحویوں نے ایک چوتھی صورت (نصب) کے امکان کا بھی ذکر کیا ہے ۔ تفصیل یوں ہے :۔

(۱) اسے (اَلّذِیْنَ کو) اسم موصول مبتدأ ـــ لھذا مرفوع سمجھا جائے ـ یعنی "الّذین" اپنے صلہ (یُؤْمِنون ..... سے ... یُوْقِنُوْنَ تک (آیت ۳، ۴) کے ساتھ مل کر مبتدأ ہو اور (اس صورت میں) آیت ۵ (اُولٰئِکَ علی ...... سے المفلحون تک) اس کی خبر سمجھی جائے۔ اس صورت میں اردو ترجمہ : "وہ (لوگ) جوکہ ..... (آیت ۳، ۴ کا ترجمہ).... ہیں" "وہ سب ..... (آیت ۵ کا ترجمہ) .... ہیں / ہوں گے"۔

(۲) "اَلّذِیْنَ" کا صلہ صرف زیرِ مطالعہ آیت ۳ (یُؤْمِنُوْنَ ...... سے .... یُنْفِقُوْنَ تک) کو سمجھا جائے اور اس صلہ موصول (یعنی پوری آیت ۳) کو ایک محذوف مبتدأ کی خبر ـــ لھذا مرفوع ـــ مانا جائے یعنی بر تقدیر (ھم) اَلّذِیْن ...... ینفقون تک ـــ اس صورت میں اردو ترجمہ ہوگا : "(وہ) ایسے

لوگ ہیں جو .... ہیں" ــــ اس صورت میں آیت ۳ کا ترجمہ الگ ہوگا۔ اگرچہ اس کا عطف آیت ۲ پر ہوگا یعنی ایک طرح وہ (آیت ۳) دوسری خبر ہوگی۔

(۳) " اَلَّذِیْنَ " کو اس کے صلہ (یؤمنون .... سے ..... ینفقون تک) سمیت سابقہ آیت (۲) کے " للمتقین " کی صفت یا اس کا بدل قرار دیا جائے۔ اور چونکہ موصوف یا مُبدَل منہ ("المتقین") مجرور بالجر (لِ) ہے۔ لہٰذا صفت یا بدل ہونے کی بنا پر " اَلَّذِیْنَ " کو بھی مجرور سمجھا جائے گا۔ اس صورت میں بھی اردو ترجمہ " جو (کہ) .... ہیں" (تا اختتام آیت ۳) سے کیا جائے گا ــــ اور یہ اعراب (یعنی " الذین ...... ینفقون " کو " المتقین " کی صفت یا بدل مجرور سمجھنا) زیادہ معقول اور موزوں اعراب ہے اور شاید اسی لئے اکثر مترجمین نے اس کا ترجمہ " جو " یا " جوکہ " سے کیا ہے۔ اگرچہ بعض نے اسے مرفوع (اوپر رفع کی دو صورتیں بیان ہوئی ہیں) سمجھتے ہوئے " وہ جو " سے بھی ترجمہ کیا ہے۔

(۴) بعض نحوی حضرات نے ایک چوتھی صورت (اعرابِ نصب کی) اضمارِ " اَعْنِی " یا تقدیرِ " اَعْنِیْ " (یعنی میں مراد لیتا ہوں یا میرا مطلب .. ہے/ I mean to say") بیان کی ہے۔ اس طرح " الذین " فعل " اَعْنِی " کا مفعول بہٖ سمجھ کر منصوب قرار دیا جاسکتا ہے ــــ بات یہ ہے کہ اسمائے مبنیہ کی صورت میں (جن کا اعراب ظاہر نہیں ہوتا) نحویوں کی عادت ہے کہ وہ اس میں رفع نصب جر تینوں اعراب ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اوپر ہم نے " اَلَّذِین " کی رفع یا جر کے نسبتاً معقول اور قابلِ فہم اعراب بیان کر دیئے ہیں۔ نحوی حضرات کو نصب کے لئے اور کوئی وجہ نہ ملے تو اضمار " اَعْنِی " کا سہارا لیتے ہیں ــــ اضمار " اعنی " کے ساتھ نصب کی توجیہ بعض خاص مواقع کے لئے تو موزوں ہے۔ تاہم اسے ہر جگہ استعمال کرنا محض فنی یا ذہنی " بازیگری " ہے اور عموماً دور کی کوڑی لانے والی بات ہوتی ہے۔ جیسے یہاں اس آیت (زیرِ مطالعہ) میں۔

[یُؤْمِنُوْنَ] فعل مضارع معروف مع فاعل (ضمیر متصل " ھم ")

جس کی علامت یہاں نَ سے ماقبل والی " داو " ہے - یہ جملہ فعلیہ ہوکر " اَلَّذِیْنَ " کا صلہ ہے - یا اگلی عبارت کی بنا پر، جو مل کر پورا " صلہ " بنتی ہے - یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ اس کے صلہ میں شامل ہے -

[بِالْغَیْبِ] کے اعراب یعنی ترکیبِ نحوی کے لحاظ سے کئی صورتیں ممکن ہیں مثلاً : (۱) جار (بِ) اور مجرور (الغیبِ) مل کر فعل " یؤمنون " سے متعلق ہے - یعنی اس میں فعل " یؤمنون " کی مزید وضاحت ہے - گویا " کس چیز پر ایمان رکھتے ہیں " ؟ کا جواب ہے (۲) بعض نحوی حضرات نے " بالغیبِ " کو " حال کا قائم مقام سمجھ کر اسے محلاً منصوب قرار دیا ہے - اس صورت میں " یؤمنون بالغیب " کا اردو ترجمہ ہوگا : " وہ (مومنوں سے) غائب ہوتے ہوئے (بھی) ایمان رکھتے ہیں " یعنی وہ منافق نہیں جو صرف مومنوں کے سامنے (پبلک میں) تو ایمان کا اقرار کرتے ہیں مگر ان کی غیر موجودگی میں یا ان سے پوشیدہ (پرائیویٹ حلقوں میں) ان کی کیفیت کچھ اور ہوتی ہے ـــــ اس توجیہ کو تفسیری نکتہ آفرینی تو کہا جا سکتا ہے - تاہم یہ خواہ مخواہ کی اعرابی کھینچا تانی ضرور ہے - (۳) اس کی ایک تیسری اعرابی صورت یہ ہے (اور یہ زیادہ واضح اور بہتر معلوم ہوتی ہے) کہ یہاں " با " (بِ) کو فعل " یؤمنون " کا صلہ سمجھا جائے - اس طرح " بالغیب " مفعول بہ ہو کر محلاً منصوب ہوگا ـــــ یہ اس لئے بھی بہتر ہے کہ " تصدیق کرنا " یا " ایمان لانا " کے معنوں کے لئے فعل " آمَنَ یؤمن " کے ساتھ یہ " صلہ " (بِ) ضرور آتا ہے - [دیکھئے اوپر " یُؤْمِنُوْن " کی لغوی بحث ۲ : ۲ : ۱ (۱)]

[وَیُقِیْمُوْنَ] یہ بھی فعل مع فاعل (یُؤْمِنُوْنَ کی طرح) ہے اور [الصَّلٰوۃَ] اس کا مفعول بہ منصوب ہے جس میں علامتِ نصب " ۃ " کی فتحہ (ـَـ) ہے ـــــ اور یہ پورا جملہ " واو " (وَ) کے ذریعے اپنے سے پہلے جملے " یؤمنون بالغیب " پر عطف ہے (یعنی یہ جملہ معطوف ہے اور سابقہ جملہ معطوف علیہ ہے) ترجمہ میں دونوں فقرے " اور " سے ملا دیئے جاتے ہیں - ترجمہ بحث " اللغہ " میں بیان ہو چکا ہے (دیکھئے اوپر ۲ : ۲ : ۱ (۳) و (۴)) -

[وَ مِمَّا] اس میں " واو " تو عاطفہ (بمعنی اَور) ہے اور " مِمَّا " جار مجرور (مِن + ما) ہے ۔ " مَا " چونکہ اسم موصول مبنی ہے ، اس میں جرّ کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہوتی ۔ اس " مَا " موصولہ کا صلہ [رزقنٰھم] ہے جس میں " رزقنا " تو فعل ماضی معروف صیغہ تعظیم (جمع مذکر) ہے اور اس میں ضمیر فاعل " نحن " متّصل موجود ہے اور [ھم] اس فعل (رزقنا) کا مفعول بہ (ضمیر منصوب متصل) ہے ۔ اس میں " ما " (موصولہ) کی ضمیر عائد اور فعل (رزقنا) کا دوسرا مفعول بھی محذوف ہے بر تقدیر ۔ " رزقناھُمُوہُ "[1] یا " رَزَقْنٰاھُم اِیَّاہُ "[2] ۔

[يُنْفِقُوْنَ] فعل مضارع معروف (مع ضمیر فاعل مستتر " ھم ") اپنے سے پہلے فعل " يُقِيمُوْنَ " پر بذریعہ " واو " (جو مِمَّا سے پہلے ہے) عطف ہے ۔ اس عبارت (وَ مِمَّا رَزَقْنٰاھُم يُنْفِقُوْنَ) کی PARAPHRAZING یا سیدھی سادہ نثر ہوگی " وَ يُنْفِقُوْن مِمَّا رَزَقْنٰاھُم " ۔ گویا آیتِ زیرِ مطالعہ میں افعال کی ترتیب یوں ہے : " يُؤْمِنُونَ .... وَيُقِيمُوْنَ .... وَيُنْفِقُوْنَ .... " مگر رُؤس الآی یا " فاصلہ " کی رعایت سے " ينفقون " کو آخر

---

[1] اگر منصوب ضمیروں " ھُمْ " یا " كُمْ " یا ضمیر مرفوع متصل (مثلاً قَتَلْتُمْ میں) کے بعد کوئی ضمیر منصوب آجائے تو اس " ھُمْ " ، " كُمْ " یا " تُمْ " کی میم کو (جسے اصطلاحاً میم الجمع کہتے ہیں) ضمہ (ـُـ) دے کر اس کے بعد ایک واو لگاتے ہیں اس " مُ " کو " مُوْ " پڑھنے کے کچھ اور قواعد بھی ہیں مگر ان کا تعلق روایتِ حفص رح کے علاوہ بعض دوسری قراءات سے ہے جن کو ہم نے اپنے موضوع بحث میں شامل نہیں کیا (دیکھیے مقدمہ حکمت قرآن فروری ۸۹ء صفحہ ۲۰-۱۹) ۔

[2] ضمیر منفصل منصوب " اِیَّاہُ " کا یہ استعمال بھی ہم صرف محذوف ضمیر کی نحوی مثال سمجھانے کے لیے لائے ہیں اصولی طور پر یہ ضمیر فعل سے پہلے لاتے ہیں ۔ (دیکھیے بحث " ایاك نعبد " ۱:۴:۱)

پر لایا گیا ہے۔[1]

۲:۲:۳ الرسم

[الَّذِيْنَ] همزة الوصل کے اثبات اور لام واحدہ مشدّدہ کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ اور یہی اس کا رسم معتاد بھی ہے (دیکھئے سورۃ الفاتحہ میں بحث " الـذين ")

[يُؤْمِنُوْنَ] میں " یاء مضمومہ " کے بعد " و " لکھی جاتی ہے (یو) اور قراءتِ حفصؒ میں چونکہ اس " ی " کے بعد همزة (القطع) پڑھا جاتا ہے لهٰذا یہ " همزہ " " و " کے اوپر لکھا جاتا ہے (یؤ) ۔ اصل رسم عثمانی میں همزہ کے لئے کوئی علامت نہیں ڈالی گئی تھی ـــ همزة القطع کے لئے اس وقت اسلامی ملکوں (کے مصاحف) میں جو مختلف علامات [ء ، ۶ ، E ، ● یا ٥ (زرد گول نقطہ) وغیرہ] مستعمل ہیں یہ سب دوسری صدی ہجری کے بعد کی ایجاد ہیں ۔ " صَرفی " اعتبار سے " يُؤْ " کو " يُوْ " پڑھنا جائز ہے اور حفصؒ کے علاوہ بعض دوسری قراءات (مثلاً ورش یا ابوعمرو) میں اسے " يُوْ " ہی پڑھا جاتا ہے جسے همزہ کی تخفیف کہتے ہیں۔ [تاہم اختلافِ قراءات کی بنیاد روایت ہے۔ صرفی یا نحوی قیاس نہیں ہے] بہرحال قراءتوں کا یہ فرق اب علاماتِ ضبط کے ذریعے واضح کیا جاتا ہے اصل رسمِ عثمانی " یومنون " ہر صورت میں برقرار رہتا ہے ۔

[بالغیب] میں " با " (ب) کو همزة الوصل سے ملا کر لکھا جاتا ہے اور اس کی عام قیاسی املاء بھی یہی ہے ۔ اسی طرح [ویقیمون] کی عثمانی اور

---

[1] الفاظ کی تقدیم و تاخیر سے سادہ نثر میں یہ " شاعری " کا سا انداز اور اسلوبی جمال پیدا کر دینے کی بکثرت مثالیں آگے چل کر ہمارے سامنے آئیں گی ۔ شاید یہ بھی ایک وجہ تھی کفار کے آنحضرت (ص) کو " شاعر " کہنے کی ۔ ورنہ ان کے لیڈر بھی یہ بات جانتے (اور مانتے) تھے کہ اصطلاحی اور فنی معنوں کے لحاظ سے قرآن اور " شعر " میں کوئی تعلق نہیں ۔ یہ نکتہ ذہن میں رکھئے ۔ آگے چل کر کفار کے اعتراضات کو سمجھنے میں مدد دے گا ۔

قیاسی املاء (رسم) بھی ایک ہی ہے۔

[الصَّلٰوۃ] یہ لفظ قرآن کریم میں (رسمِ عثمانی کے اتباع میں) ہمیشہ اسی طرح "ل" کے بعد "و" اور آخر پر تائے مربوطہ (ۃ) کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ یہ "واو" دراصل "الف" کا کام دیتی ہے یعنی اسے پڑھا "صلاۃ" ہی جاتا ہے (اور عام عربی املاء میں تو اسے لکھا بھی اسی طرح "صلاۃ" ہی جاتا ہے)۔ قرآن کریم میں یہ لفظ معرف باللام شکل میں (الصلوۃ) پینسٹھ (۶۵) دفعہ اور اسم ظاہر کی طرف مضاف ہو کر دو دفعہ آیا ہے (صلوۃ الفجر اور صلوۃ العشاء ـــ النور: ۵۸) ان تمام مقامات پر یہ اسی طرح "صلوۃ" (الف بصورت واو کے ساتھ) لکھا جاتا ہے ـــ البتہ اگر یہ لفظ کسی ضمیر کی طرف مضاف ہو (اور اس طرح بھی یہ لفظ قرآن کریم میں گیارہ (۱۱) دفعہ آیا ہے) تو اس وقت یہ اکثر "واو" کی بجائے "الف" سے ہی لکھا جاتا ہے مثلاً "صلاتی"، "صلاتهم"، "صلاته" وغیرہ۔ لیکن ان مضاف (الی ضمیر) ہو کر آنے والے (گیارہ) مواقع میں سے بھی بعض جگہ مقرر جگہوں پر اسے "واو" کے ساتھ (صلوۃ) ہی لکھتے ہیں۔ ان مقامات کا بیان اپنی اپنی جگہ پر آئے گا۔

البتہ لفظ "صلوۃ" میں یہ "واو" اس بات کی علامت کے طور پر لکھی گئی تاکہ معلوم رہے کہ اس لفظ کا اصل مادہ "ص ل و" ہی ہے۔ صرفی تعلیل ـــ یا اہل عرب کے نطق ـــ کے مطابق یہ "واو" (اور ناقص یائی کی "یا" بھی) الف میں بدل جاتی ہے تاہم اس کا قرآنی رسم الخط "صلوۃ" ہی رہتا ہے۔ اس طرح کے سات اور الفاظ "الزکوٰۃ، الحیٰوۃ، الربٰوا، الغدوۃ، مشکوۃ، النجوۃ اور منوۃ" بھی ہیں۔ (ان سب میں "واو" کو "الف" پڑھا جاتا ہے)۔ اور ان سب کی املاء (بمطابق رسم عثمانی) میں مندرجہ بالا اصول [یعنی صرف کسی ضمیر کی طرف مضاف ہوتے وقت الف کے ساتھ ورنہ باقی صورتوں میں "واو" کے ساتھ لکھنا] مدنظر رکھا جاتا ہے[1]۔ ان کا بیان اپنے اپنے موقع پر آئے گا۔

---

[1] اگرچہ ان میں سے بعض کلمات قرآن کریم میں کہیں بھی کسی ضمیر کی طرف مضاف (باقی اگلے صفحہ پر)

[وَمِمَّا] یہ بیان ہو چکا ہے کہ یہ لفظ (مِمَّا) دراصل مِنْ ما [یعنی مِنْ جارّہ اور مَا موصولہ کا مرکب] ہے ۔ یہ لفظ قرآن کریم میں قریباً ایک سو پندرہ (۱۱۵) دفعہ آیا ہے اور ہر جگہ اسی طرح ملا کر (موصول) لکھا جاتا ہے ۔ ماسوائے تین مواقع کے (النساء : ۲۵ ، الروم : ۲۸ ، المنافقون : ۱۰)۔ پھر ان تین مواقع میں سے بھی دو جگہ تو یہ بالاتفاق الگ الگ (مقطوع یا مفصول) یعنی بصورت " مِنْ مَا " لکھا جاتا ہے اور ایک جگہ (المنافقون : ۱۰) کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہاں اسے مقطوع لکھنا ہے یا موصول[1]۔ ہر ایک کا بیان اپنی اپنی جگہ پر آئے گا ۔

[رَزَقْنٰهُمْ] جو دراصل " رزقنا + هم " ہے ۔ [اور عام عربی املاء (رسم قیاسی) میں اسی طرح (رزقناهم) لکھا جاتا ہے] ۔ مگر قرآن کریم میں " ن " کے بعد والا " الف " لکھنے میں حذف کر دیا جاتا ہے (پڑھا ضرور جاتا ہے)۔ اور اسے " هم " کے ساتھ ملا کر لکھا جاتا ہے ۔ بلکہ قرآن کریم میں تو ضمیر متصل فاعل جمع متکلم (.... نَا) عموماً ہر جگہ [جیسے خَلَقْنَا ، عَذَّبْنَا ، اَهْلَكْنَا وغیرہ میں] عموماً ہر جگہ اسی طرح بحذفِ الف (بعد النون) اور مابعد کے ساتھ موصول یعنی ملا کر (نٰ ....) لکھی جاتی ہے جب کہ بعد میں ساتھ کوئی ضمیر منصوب آ رہی ہو ۔ اسم ظاہر (منصوب مفعول) کے ساتھ اسے باثبات الف ہی لکھا جاتا ہے ۔ اس قسم کے کلمات [ضمیر متصل فاعل جمع متکلم کے ساتھ ضمیر منصوب ملا کر لکھنا] کی کتابت رسم عثمانی کی خصوصیت ہے ۔ عام عربی قواعدِ املاء کی رُو سے ایسا (مثلاً خلقنٰه) لکھنا درست نہیں ۔ مگر قرآن کریم کی کتابت میں اس کی خلاف ورزی ممنوع ہے ۔ یعنی " خلقنا ه " لکھنا

(تسلسل) ہو کر نہیں آئے ۔ اس قسم کے کلمات قرآنی کے رسم عثمانی کے مطابق املاء کے بارے میں مزید وضاحت کے لئے دیکھئے المقنع ص ۵۴ ببعد ، العقیلہ ص ۸۰ ببعد ، دلیل الحیران ص ۲۸۱ ببعد ، نثر المرجان ج ۱ ص ۶۸ ببعد اور سیر الطالبین ص ۸۷ ببعد ۔

[1] مزید بحث کے لئے دیکھئے نثر المرجان ج ۱ ص ۸۰ ، لطائف البیان ج ۲ ص ۵۹ ، العقیلہ ص ۸۷ ، المقنع ص ۶۹ سیر الطالبین ص ۹۲ ۔

غلط ہوگا۔

[يُنفِقُونَ] کی املاء عام قیاسی املاء کے مطابق ہے۔

۴:۲:۲ الضبط

(الذين يومنون بالغيب ويقيمون الصلوٰة ومما رزقنٰهم ينفقون)

آیت زیرِ مطالعہ میں اختلافِ ضبط کے حسب ذیل مواقع موجود ہیں:۔

(۱) همزة الوصل کی علامت (صلہ) ڈالنا یا نہ ڈالنا اور ڈالنے کی صورت میں اس کی صورت (صہ ، ●) کا اختلاف۔ اس اختلاف کا اثر کلمات " الذينَ " ، "بالغيب" اور " الصلوٰة " کے ضبط میں ظاہر ہوگا۔

(۲) همزة القطع کی علامت ڈالنا یا نہ ڈالنا اور ڈالنے کی صورت میں اس کی شکل (ء ، ء ، ٤ یا ٥) کا اختلاف۔ اس کا اثر کلمہ " يومنون " کے ضبط میں ظاہر ہوگا۔

(۳) واو ساکنہ ماقبل مضموم پر علامت سکون ڈالنا یا نہ ڈالنا۔ اس اختلاف کا اثر کلمات " يومنون " ، "يوقنون" اور " ينفقون " کے ضبط میں نمایاں ہوگا۔

(۴) یای ساکنہ ماقبل مکسور پر علامت سکون ڈالنا یا نہ ڈالنا اور اس کے ماقبل پر کسرہ (ـِ) یا علامت اشباع (ـٖ) یعنی کھڑی زیر ڈالنا۔ اس اختلاف کا اثر " الذين " اور " يقيمون " کے ضبط پر پڑے گا۔

(۵) محذوف الف کو ظاہر کرنے کی علامتِ ضبط کا فرق (ـٰ یا ـٰ) اس کا اثر کلمات "الصلوة" اور " رزقنٰهم " کے ضبط میں ظاہر ہوگا۔

(۶) الف ساکنہ کے ماقبل (مفتوح) پر فتحہ (ـَ) یا علامتِ اشباع (ـٰ) یعنی کھڑی زبر ڈالنا۔ اس کا اثر کلمہ " مِمّا " کے ضبط میں ظاہر ہوگا۔

(۷) نون مخفاة (نون ساکنہ جس کے بعد کوئی حرف اخفاء آ رہا ہے) پر علامت سکون ڈالنا

یا نہ ڈالنا۔ عرب اور افریقی ملکوں میں نون مُخفاۃ کو علامتِ سکون سے خالی رکھا جاتا ہے۔ مصحف حلبی اور تجویدی قرآن میں اس کے لئے ایک خاص علامتِ سکون وضع کی گئی ہے۔ اس کا اثر " ینفقون " کے ضبط میں ظاہر ہو گا۔

(۸) راءِ مفخمہ کو بصورت " ر " لکھنا اور قلقلہ کے لئے خاص قسم کی علامتِ سکون (۸) کا اہتمام صرف تجویدی قرآن میں کیا گیا ہے۔ اس کی مثال " رزقنٰھم " ہے۔

(۹) افریقی ممالک میں نون متطرفہ پر علامتِ اعجام نہ ڈالنا یا اس کی جگہ کا اختلاف نیز افریقی ممالک میں " ف " کو " ڢ " اور " ق " کو " ف " لکھنے کا فرق۔ اس کا نمونہ آپ کلمات " الذین " ، " رزقنٰھم " ، یقیمون اور ینفقون " کے ضبط میں دیکھیں گے۔

اس طرح مجموعی طور پر آیت زیرِ مطالعہ کے کلمات میں اختلافِ ضبط کی مندرجہ ذیل صورتیں سامنے آتی ہیں:۔

اَلَّذِیۡنَ   اَلَّذِیۡنَ   اَلَّذِیۡنَ   اَلَّذِیۡنَ   اَلَّذِیۡنَ

یُؤۡمِنُوۡنَ   یُؤۡمِنُونَ   یُؤۡمِنُونَ   یُومِنُونَ

بِالۡغَیۡبِ   بِالۡغَیۡبِ   بِالۡغَیۡبِ   بِالۡغَیۡبِ

وَیُقِیۡمُوۡنَ   یُقِیۡمُوۡنَ   یُقِیۡمُوۡنَ   یُفِیمُونَ

الصَّلٰوۃَ   اَلصَّلٰوۃَ   اَلصَّلٰوۃَ

وَمِمَّا   مِمَّا —   رَزَقۡنٰهُمۡ   رَزَقۡنٰهُمۡ   رَزَفۡنٰهُمۡ

یُنۡفِقُوۡنَ   یُنۡفِقُوۡنَ   یُنۡفِقُونَ

★★★

ڈاکٹر طاہر سعید کے نام (۲)

ڈاکٹر محمد مقصود

اسلام کا سیاسی نظام

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بالفعل جو سیاسی نظام قائم کیا اُس کا اصل الاصول یہ تھا کہ سیاسی سطح پہ فوقیت اور فیصلہ کن طاقت صرف اور صرف ایک ہی ہستی کو زیب دیتی ہے۔ جس کو خدا یا ذاتِ بے ہمتا کہتے ہیں جیسا کہ بقول اقبال

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بُتانِ آزری

اسی حقیقتِ کبریٰ کا اعلان و اظہار قرآن اپنے اوراق میں بارہا بڑے زور و شور اور طنطنے سے کرتا ہے کہ

۱۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۔ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ (یوسف: آیت ۴۰)

ترجمہ "حکم اللہ کے سوا اور کسی کا نہیں چلتا۔ اس کا مطالبہ اور فرمان ہے کہ اُس کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو یہی صحیح دین ہے"

۲۔ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (الاعراف: آیت ۵۴)

ترجمہ: "خبردار! خلق بھی اُسی کی ہے اور حکومت بھی اُسی کی"

۳۔ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ (آل عمران: آیت ۱۵۴)

ترجمہ: "وہ لوگ پوچھتے ہیں کہ اختیارات میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے۔ کہو اختیار کل کا کل اللہ کے ہاتھ میں ہے"

۴۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ (النحل: آیت ۱۱۶)

ترجمہ :- "اور اپنی زبانوں سے یونہی بے تکے نہ کہا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام (یہ سارا اختیار تو اللہ کے پاس ہے)"۔

۵- وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ
(المائدہ: آیت ۴۴) هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (آیت ۴۵)
هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (آیت ۴۶)

ترجمہ :- "اور جو لوگ خدا کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کریں' وہی کافر، ظالم اور فاسق ہیں"۔

اس عادلانہ سیاسی نظام کے اندر شیطان اور طاغوت کس بھیس میں داخل ہوا :- مندرجہ بالا نظام کے مطابق تو حاکمیت صرف اور صرف اللہ تعالٰی کے لیے تھی اور کسی انسان (خواہ وہ نبی اور پیغمبر ہی کیوں نہ ہو) کو یہ حق حاصل ہی نہیں کہ وہ بذاتِ خود کوئی حکم دے یا کسی کام سے منع کریں۔ نبی یا پیغمبر تو خود اللہ کے حکم کا پیرو اور ترجمان ہوتا ہے (چنانچہ دیکھئے سورۃ یونس آیت ۱۵، سورۃ الانعام آیت ۵۰، سورۃ الانبیاء آیت ۱۰۸، سورۃ حم السجدہ آیت ۶، سورۃ الکھف آیت ۱۱۰، سورۃ النجم آیت ۴)۔ مگر جہالت و نادانی کا برا ہو کہ لادینیت (SECULARISM) کے شیطان نے آتے ہی اس عادلانہ نظام کے بخیے ادھیڑ کر اسے عملی زندگی میں تہس نہس کر دیا۔ برخلاف اس کے اعلان کیا کہ حکم دینا اور حلال و حرام کے ضابطے بنانا یا حاکمیتِ اعلیٰ انسان کا اپنا حق ہے خدا کا کوئی حق نہیں۔ چنانچہ بڑی بے دردی اور متکبّرانہ ہٹ دھرمی کے ساتھ حاکمیتِ خداوندی کے تصور کو بیخ و بُن سے اکھاڑ کر اس کی جگہ حاکمیتِ انسانی پر مبنی آمریت (DICTATORSHIP) جس میں ایک انسان حاکمِ مطلق آمر بن کر اپنی قاہری اور حاکمیت کا پھندا اور قلادہ عوام الناس کے گلے میں ڈال دے۔ اُس کے منہ سے نکلا ہوا ہر حرف دوسرے انسانوں کے لیے قانون کی حیثیت رکھے اور معاشرہ کا ہر فرد اُس مطلق العنان اور مختارِ کُل (ALL IN ALL) انسان کے سامنے جواب دہ ہو۔ یا پھر جمہوریت (DEMOCRACY) ایک ایسی طرزِ حکومت جس میں عوام الناس یا معاشرہ بحیثیتِ مجموعی حاکمیتِ مطلقہ کے نشہ و خمار سے مخمور اور قوتِ قاہرہ کے سحر سے مسحور ہو کر اپنی مرضی سے جس چیز کو پسند کرے وہ اُن کے نزدیک جائز اور حلال وطیب ہو۔ وہ شراب خوری او

قمار بازی جیسی حرکاتِ رزیلہ ہی کیوں نہ ہو اور جس چیز کو چاہے اپنی خوشی سے دریا بُرد کر دے خواہ وہ بڑے سے بڑا اخلاقی قدر ہی کیوں نہ ہو، انسانیت کے لیے پاؤں کی بیڑیاں اور گلے کا طوق بن گئی۔ انسانی تاریخ شاہد اور تجربات و حوادث گواہ ہیں کہ یہی قدم اٹھا کر دورِ جدید کے طاغوت نے امن و آشتی کا خون کر کے انسانیت کے راستے میں ظلم و جور کے بڑے نوکیلے کانٹے بو دیئے۔ یہ بنیادی اور گمراہ کن تبدیلی جو دنیا سے اسلام کے عادلانہ سیاسی نظام کے ہٹ جانے اور طاغوتِ انسانی کے قدم جمانے سے برآمد ہوئی جس نے ؎ "تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیت ہے" کے مصداق انسانیت کو فغفور و خاقاں اور فقیر و گدا کی ظالمانہ چکی میں پیسنا شروع کر دیا۔ چنانچہ آپ کو یاد ہوگا کہ ۱۹۳۶ء میں ایشیا کے نامور فلسفی حضرت علامہ اقبال مرحوم نے "ابلیس کی مجلسِ شوریٰ" کے نام سے جو نظم لکھی تھی اُس میں ابلیس اپنے دوسرے ابلیس مشیروں کو کتنی دل سوزی اور کیسی دل جوئی کے ساتھ یہ مشورہ دیتا ہے کہ دیکھو دورِ حاضر کے تقاضوں سے مجھے یہ خوف ہے کہ کہیں پھر محمّد کا لایا اور چلایا ہوا عادلانہ سیاسی نظام (شرعِ پیغمبر) انسانیت کی نگاہوں پر ظاہر و آشکار نہ ہو جائے کیونکہ وہ نظام آمریت یا جمہوریت کی شکل میں کسی بھی انسانی حاکمیت کی چولیں ہلا کر اور تمیزِ بندہ و آقا کو مٹا کر برملا یہ اعلان کرتا ہے کہ انسانوں میں سے نہ تو کوئی فغفور و خاقاں یا بادشاہ و آقا ہے اور نہ ہی کوئی صغیر و فقیر یا گدائے رہ نشین۔ فغفور و خاقاں یا بادشاہ و آقا صرف اور صرف خدا ہے جبکہ انسان سب کے سب صغیر و فقیر اور گدائے رہ نشین ہیں۔ ان مشوروں کو ذرا ابلیس کی زبانی سنئے۔

؎ عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں!

اور پھر "شرعِ پیغمبر" کی تشریح کرتے ہوئے ابلیس کہتا ہے کہ وہ انسان پر انسان کی غلامی کے لیے پیغامِ اجل ہے۔

؎ موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لیے
نے کوئی فغفور و خاقاں نے فقیرِ رہ نشیں
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
بادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں!

(باقی صفحہ ۶ پر)

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۗءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ○
(سورۂ بنی اسرائیل)

اور ہم قرآن (کے ذریعے) سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کیلئے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کے حق میں تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے

سالانہ رپورٹ

انجمن خدّام القرآن سندھ (رجسٹرڈ)

برائے سال ۸۸/۱۹۸۹ء

مرتّب: سید حامد علی رضوی، معتمد عمومی

★

جو

انجمن سندھ کے تیسرے سالانہ اجلاس منعقدہ ۲۷ ستمبر ۸۹ء میں پیش کی گئی

ذیل میں انجمن خدام القرآن سندھ کی سالانہ رپورٹ پیش خدمت ہے۔ سندھ کی مذکورہ بالا انجمن نے دراصل مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ہی کی کوکھ سے جنم لیا تھا چنانچہ اس کے اغراض و مقاصد بھی وہی ہیں جو مرکزی انجمن کے ہیں۔ الحمدللہ کہ یہ انجمن سندھ جس کا مرکزی دفتر کراچی میں ہے، آزادانہ اپنے معاملات کو بحُسن و خوبی چلا رہی ہے اور خدمت قرآنی کے شعبے میں اس کی کارکردگی اگر قابلِ رشک نہیں تو تسلی بخش ضرور ہے۔ سندھ سے تعلق رکھنے والے حکمت قرآن کے قارئین سے درخواست ہے کہ وہ انجمن خدام القرآن سندھ کے کام کو آگے بڑھانے میں بھرپور تعاون کریں اور اپنا نام بھی خادمانِ قرآن کی فہرست میں شامل کرائیں۔ (ادارہ)

قمار بازی جیسی حرکاتِ رزیلہ ہی کیوں نہ ہو اور جس چیز کو چاہے اپنی خوشی سے دریا بُرد کر دے خواہ وہ بڑے سے بڑا اخلاقی قدر ہی کیوں نہ ہو، انسانیت کے لیے پاؤں کی بیڑیاں اور گلے کا طوق بن گئی۔ انسانی تاریخ شاہد اور تجربات و حوادث گواہ ہیں کہ یہی قدم اٹھا کر دورِ جدید کے طاغوت نے امن و آشتی کا خون کر کے انسانیت کے راستے میں ظلم و جور کے بڑے نوکیلے کانٹے بو دیئے۔ یہ بنیادی اور گمراہ کن تبدیلی جو دنیا سے اسلام کے عادلانہ سیاسی نظام کے ہٹ جانے اور طاغوتِ انسانی کے قدم جمانے سے برآمد ہوئی جس نے ؎ "تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیت ہے" کے مصداق انسانیت کو فغفور و خاقان اور فقیر و گدا کی ظالمانہ چکی میں پیسنا شروع کر دیا۔ چنانچہ آپ کو یاد ہو گا کہ ۱۹۳۶ء میں ایشیا کے نامور فلسفی حضرت علامہ اقبال مرحوم نے "ابلیس کی مجلسِ شوریٰ" کے نام سے جو نظم لکھی تھی اُس میں ابلیس اپنے دوسرے ابلیس مشیروں کو کتنی دل سوزی اور کیسی دل جوئی کے ساتھ یہ مشورہ دیتا ہے کہ دیکھو دورِ حاضر کے تقاضوں سے مجھے یہ خوف ہے کہ کہیں پھر محمّد کا لایا اور چلایا ہوا عادلانہ سیاسی نظام (شرعِ پیغمبر) انسانیت کی نگاہوں پر ظاہر و آشکار نہ ہو جائے کیونکہ وہ نظام آمریت یا جمہوریت کی شکل میں کسی بھی انسانی حاکمیت کی چولیں ہلا کر اور تمیزِ بندہ و آقا کو مٹا کر برملا یہ اعلان کرتا ہے کہ انسانوں میں سے نہ تو کوئی فغفور و خاقان یا بادشاہ و آقا ہے اور نہ ہی کوئی صغیر و فقیر یا گدائے رہ نشین۔ فغفور و خاقان یا بادشاہ و آقا صرف اور صرف خدا ہے جبکہ انسان سب کے سب صغیر و فقیر اور گدائے رہ نشین ہیں۔ ان مشوروں کو ذرا ابلیس کی زبانی سنئے۔

؎ عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں!

اور پھر "شرعِ پیغمبر" کی تشریح کرتے ہوئے ابلیس کہتا ہے کہ وہ انسان پر انسان کی غلامی کے لیے پیغامِ اجل ہے۔

؎ موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لیے
نے کوئی فغفور و خاقاں نے فقیرِ رہ نشیں
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
بادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں!

(باقی صـ۶ پر)

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۗءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝

(سورۂ بنی اسرائیل)

اور ہم قرآن (کے ذریعے) سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کیلئے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کے حق میں تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے

سالانہ رپورٹ

انجمن خدام القرآن سندھ (رجسٹرڈ)

برائے سال ۸۸/۱۹۸۹ء

مرتب: سید حامد علی رضوی، معتمد عمومی

★

جو

انجمن سندھ کے تیسرے سالانہ اجلاس

منعقدہ ۲۷ ستمبر ۸۹ء میں پیش کی گئی

ذیل میں انجمن خدام القرآن سندھ کی سالانہ رپورٹ پیش خدمت ہے۔ سندھ کی مذکورہ بالا انجمن نے دراصل مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ہی کی کوکھ سے جنم لیا تھا چنانچہ اس کے اغراض و مقاصد بھی وہی ہیں جو مرکزی انجمن کے ہیں۔ الحمدللہ کہ یہ انجمنِ سندھ جس کا مرکزی دفتر کراچی میں ہے، آزادانہ اپنے معاملات کو بحُسن و خوبی چلا رہی ہے اور خدمت قرآنی کے شعبے میں اس کی کارکردگی اگر قابل رشک نہیں تو تسلی بخش ضرور ہے۔ سندھ سے تعلق رکھنے والے "حکمت قرآن" کے قارئین سے درخواست ہے کہ وہ انجمن خدام القرآن سندھ کے کام کو آگے بڑھانے میں بھرپور تعاون کریں اور اپنا نام بھی خادمانِ قرآن کی فہرست میں شامل کرائیں۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

ابتدائیہ :

صدر محترم و معزز اراکینِ انجمن ۔

الحمدللہ کہ آج انجمن خدام القرآن سندھ (رجسٹرڈ) کراچی کا تیسرا سالانہ اجتماع منعقد ہو رہا ہے جس میں مجھے انجمن کی سالانہ رپورٹ بابت سال ۸۸۔۱۹۸۹ء پیش کرنے کا شرف حاصل ہو رہا ہے ۔

انجمن کا اوّلین مقصد :

اس سے قبل کہ میں انجمن کی سالِ رفتہ کی حقیر سی کارکردگی کی روداد آپ حضرات کے سامنے پیش کروں مناسب سمجھتا ہوں کہ لبطور تذکیر انجمن ہذا کی غرضِ تاسیس کے متعلق کچھ عرض کروں اس کو اگر دو جملوں مین بیان کیا جائے تو وہ یہ ہوں گے کہ انجمن کے قیام کا اوّلین مقصد "دعوتِ رجوع الیٰ القرآن" ہے اور اس دعوت کے ذریعے سے "غلبہ دین حق کے لئے مسلمانوں میں جوشِ جہاد اور شوق شہادت پیدا کرنا ہے ۔" یوں کہنے کو یہ دو سادے سے جملے ہیں مگر ان کی تشریح و تصریح کے لئے ایک دفتر درکار ہے ۔ لیکن اگر ان میں سے پہلے جملے کی شرح و وضاحت کے لئے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے اُس ارشاد کے ابتدائی حصہ سے استفادہ کیا جائے جو شیخ الشیوخ اور استاذ الاساتذہ نے اسارتِ مالٹا سے واپسی پر جب کہ مرحوم اس حیاتِ مستعار کی آخری منزل میں قدم رکھ چکے تھے ، برعظیم پاک و ہند کی سب سے بڑی دینی درس گاہ دیوبند میں وقت کے علمائے عظام کے ایک بڑے اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ :

"میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں؟ تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے۔ ایک[۱] ان کا قرآن کو چھوڑ دینا، دوسرے[۲] ان کے آپس کے اختلاف اور خانہ جنگی ......"

جناب مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ نے حضرت شیخ الہندؒ کا یہ ارشاد ملّتِ اسلامیہ پاک و ہند تک پہنچایا اور اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "غور کیا جائے تو یہ آپس کی لڑائی بھی قرآن کو چھوڑنے ہی کا لازمی نتیجہ ہے۔ قرآن پر کسی درجے میں بھی عمل ہوتا تو خانہ جنگی یہاں تک نہ پہنچتی"۔

حکیم الامت علامہ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے صدرِ اوّل کے مسلمانوں کی شوکت وسطوت اور رعب و دبدبہ اور دورِ زوال و انحطاط اور نکبت و مسکنت کی تصویر و نقشہ کشی ایک سادہ لیکن نہایت جامع شعر میں اس طرح کی ہے:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

علمائے ربّانی و حقانی اور رجالِ دین کی اسی تشخیص سے بالکلیہ متفق ہو کر ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ العالی نے ۱۹۶۸ء سے پہلے انفرادی طور پر دعوتِ رجوع الی القرآن کا آغاز کیا اور جو بعد میں جو ۱۹۷۲ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی صورت میں متشکل ہوئی۔ جس کے قیام کی تاسیسی و بنیادی غایت یہ قرار پائی کہ:

"اسلام کی **نشأۃ ثانیہ** اور غلبہ دین حق کے دورِ ثانی کا خواب امت مسلمہ میں 'تجدید ایمان' کی عمومی تحریک کے بغیر شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا اور اس کے لئے لازم ہے کہ اوّلاً منبع ایمان و یقین یعنی قرآن حکیم کے علم و حکمت کی وسیع پیمانے پر تشہیر و اشاعت کا اہتمام کیا جائے"

چنانچہ انجمن خدام القرآن سندھ۔ کراچی کے قیام کی غرض و غایت بھی مذکورہ بالا مقصد

کا حصول ہے۔ اس اعتبار سے جہاں مرکزی انجمن اور انجمن سندھ میں کامل ہم آہنگی ہے اور انجمن سندھ مرکزی انجمن کا ایک ذیلی (AFFILIATED) ادارہ ہے وہاں مالی اور انتظامی امور کے لحاظ سے انجمن سندھ ایک خود مختار (AUTONOMOUS) ادارہ ہے لیکن چونکہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد دامت فیوضھم کی شخصیت، ان کا فکر، ان کا فہم قرآن حکیم ان کا جوشِ دعوتِ حق مرکزی انجمن کے قیام کی روحِ رواں ہے لہذا انجمن سندھ کے جسم میں بھی محترم ڈاکٹر صاحب مدظلّہ کا فکر اور ان کی شخصیت ہی روحِ رواں اور جذبہ محرکہ کا مقام رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انجمن سندھ کے دستور العمل کی رو سے محترم ڈاکٹر اسرار احمد دامت برکاتہم کو انجمن سندھ کے "نگرانِ اعلیٰ" کی حیثیت حاصل ہے اور صاحب موصوف ہی انجمن سندھ کی مجلسِ منتظمہ کے لئے منتخب ہونے والے اراکین میں سے اپنی صواب دید کے مطابق کسی رکن کو انجمن ہٰذا کا صدر نامزد کرنے کے بالکلیہ مجاز ہیں۔

مجلسِ منتظمہ :-

آج کے اس اجلاس کے ایجنڈے کی ایک اہم شق کے مطابق اراکین انجمن نے دو سال یعنی ۸۹ - ۹۱ کے لئے آپ حضرات نے انجمن کے دستور العمل کیمطابق مجلسِ منتظمہ کا انتخاب بھی کرنا ہے۔ آپ حضرات کے علم میں ہوگا کہ انجمن کے دستور کے مطابق انجمن کا سالانہ اجلاس تو ہر سال منعقد ہونا ضروری ہے البتہ مجلس منتظمہ کا انتخاب ہر دو سال کے بعد ہونا طے ہے چنانچہ موجودہ مجلسِ منتظمہ کا انتخاب ۸۶-۱۹۸۷ء کے سالانہ اجلاس کے موقع پر ستمبر ۸۷ء میں عمل میں آیا تھا۔ ان دو سالوں کے دوران منتخب اراکین کے استعفوں کے باعث وقتاً فوقتاً تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ اس طرح جو حضرات اس سالانہ اجلاس تک مجلس منتظمہ کے رکن ہیں ان کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں۔

۱ جناب سید سراج الحق صاحب

۲ جناب زین العابدین صاحب

۳ جناب طارق امین صاحب

۴ جناب عبدالمجید شیخ صاحب

۵ جناب عبدالواحد عاصم صاحب

۶ جناب راجہ محمد ارشاد صاحب ایڈوکیٹ

۷ جناب سراج احمد صاحب

۸ جناب سید واحد علی رضوی صاحب

۹ جناب عبدالرحمٰن ہنگورا صاحب

۱۰ جناب قاضی عبدالقادر صاحب

۱۱ جناب سید شاہد علی صاحب

۱۲ جناب محمد عباس علی صاحب

۱۳ جناب نجم الحسن صاحب

۱۴ جناب سید حامد علی رضوی (راقم)

توضیح : مجلسِ منتظمہ کے پندرہویں رکن محترم جناب ڈاکٹر نور الٰہی صاحب تھے۔ موصوف نے مجلس منتظمہ سے اپنا استعفیٰ ۸۸ء کے اواخر میں دیدیا تھا لیکن انجمن کی طرف سے کوشش جاری رہی کہ موصوف کو اپنا استعفیٰ واپس لینے پر آمادہ کیا جاسکے۔ چنانچہ یہ استعفیٰ کئی بار موخر کرنے کے بعد اپریل ۸۹ء میں طے کیا گیا کہ چونکہ ستمبر ۸۹ء میں منعقد ہونے والے سالانہ اجلاس میں آئندہ دو سال کے لئے مجلسِ منتظمہ کا انتخاب عمل میں آئے گا لہذا اس وقت اس خالی نشست کو ضمنی انتخاب سے پُر نہ کیا جائے۔

انجمن سندھ کے صدر اور دوسرے عہدیدار حضرات :۔

انجمن ہذا کے سالانہ اجلاس منعقدہ ستمبر ۸۷ء میں جن پندرہ حضرات کا دو سال کے لئے اراکین مجلسِ منتظمہ کا انتخاب عمل میں آیا تھا ان میں سے محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ نے دستور العمل کے مطابق محترم جناب سید سراج الحق صاحب کو انجمن کا صدر نامزد فرمایا۔

صدرِ انجمن نے دستور العمل کے مطابق مختلف حضرات کو دوسری ذمہ داریاں تفویض کیں چنانچہ اس سالانہ اجلاس کے انعقاد کے وقت یہ ذمہ داریاں جن حضرات

کے پاس ہیں، ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

۱	(راقم) سید حامد علی رضوی	**معتمد عمومی**
۲	جناب عبدالرحمٰن ہنگورا صاحب	**معاون معتمد**
۳	جناب نجم الحسن صاحب	ناظم مالیات

مجلسِ منتظمہ نے ۸۹/۱۹۸۸ء کے لئے جناب قاضی عبدالقادر صاحب کو اعزازی محاسب مقرر کیا تھا۔ لیکن قاضی صاحب موصوف نے دورانِ سال اپنی ناسازی طبع اور دیگر مصروفیات کے باعث اس ذمہ داری کی ادائیگی سے معذرت کر لی تھی چنانچہ ان کی جگہ یہ ذمہ داری جناب عبدالمجید شیخ صاحب کو تفویض کی گئی۔

انجمن کی رکنیت اور اراکین کی ذمہ داریاں

انجمن کی رکنیت جون ۸۹ء کے مالیاتی سال کے اختتام پر حسب ذیل تھی۔ تقابل کے لئے ساتھ ہی جون ۸۸ء کے اختتام کے اعداد و شمار بھی درج کئے جا رہے ہیں۔

	سنہ ۱۹۸۸ء	سنہ ۱۹۸۹ء
حلقۂ مؤسسین :	۱۸	۱۸
حلقۂ محسنین :	۱	۷
حلقۂ مستقل ارکان :	۸	۱۳
حلقۂ عام ارکان	۷۵	۳۵
میزان :	۱۰۲	۷۳

گذشتہ سال عام ارکان کی تعداد میں وہ اراکین بھی شمار کیے گئے تھے جن کی طرف تین ماہ کا ماہانہ زرِ معاونت واجب الادا تھا۔ امسال دستور العمل کی رو سے جن عام ارکان پر تین ماہ کا زرِ معاونت واجب تھا ان کے نام خارج کر دیے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امسال عام ارکان کی تعداد صرف ۳۵ رہ گئی ہے۔

صورتِ حال کا جائزہ :

میں بڑے درد کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ انجمن کی رکنیت میں خاطر خواہ اضافہ نہیں ہو رہا

——— جیسا کہ اوپر کے اعداد و شمار سے ظاہر ہے۔ گذشتہ سالانہ رپورٹ میں بھی اس بارے میں عدم اطمینان اور تشویش کا اظہار کیا گیا تھا۔ فی الوقت بھی یہ صورت حال غیر تسلی بخش ہے۔ تھوڑے فرق سے یہی صورتِ حال ماہانہ اعانتوں اور خصوصی اعانتوں کی وصولیابی کی ہے جس کے باعث مالیاتی سال ۸۸-۱۹۸۹ء میں مبلغ ۰۲۔ ۲۴۹۱۱ روپے آمدنی کے مقابلے زائد خرچ ہوئے ہیں۔ اس طرح انجمن کی سابقہ بچت میں اس رقم کی کمی واقع ہوئی ہے جیسا کہ آپ آمدنی و اخراجات اور تختہ واصل باقی (بیلنس شیٹ) کے گوشواروں میں ملاحظہ فرمائیں گے جو اس رپورٹ کے آخر میں شامل کئے جا رہے ہیں۔

ایک اہم اپیل :

ارکین اور زرتعاون و اعانت کی اس کمی کی اگر صحیح تشخیص کی جائے تو وہ اسکے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ جملہ ارکین و وابستگان کے فکر و نظر اور قلب و شعور میں تا حال یہ بات پوری طرح ثبت اور راسخ نہیں ہوئی ہے کہ کتنے عظیم کام کا ہم نے قصد کیا اور بیڑہ اٹھایا ہے۔ اگر ارکانِ مجلس منتظمہ بالخصوص اور جملہ ارکین انجمن بالعموم اس کام کو واقعی وہ مقام اور درجہ دیں جو اس عظیم کام کا حق بھی ہے تو اس گئی گزری حالت اور دورِ انحطاط میں بھی ایسے متعدد سعید نفوس مل جائیں گے جو اس کارِ خیر میں بڑے شوق و ذوق اور بھرپور جوش و ولولے کے ساتھ مالی و عملی تعاون کو اپنے لئے سعادت سمجھیں گے۔ تقصیر اور کوتاہی دراصل ہماری اپنی ہے۔ ہماری کم کوشی کے یہ نتائج ہیں جو ہمارے سامنے آرہے ہیں جبکہ واقعہ یہ ہے کہ اگر انجمن کے موجودہ ارکان میں سے ہر فرد تگ و دو اور محنت و سعی کرے۔ اور اس کام کو اپنی ذاتی ذمہ داری سمجھے کہ وہ اپنے حلقہ تعارف و احباب میں سے انجمن کا صرف ایک رکن (محسن، مستقل اور عام رکن) بنانے کی طرف توجہ دے گا تو ان شاء اللہ ایک سال میں یہ تعداد دوگنی ہو سکتی ہے

ع ذرا نم ہو تو یہ زمیں بڑی زرخیز ہے ساقی

جامع القرآن اور قرآن اکیڈمی :

گذشتہ سال کی رپورٹ میں عرض کیا گیا تھا کہ "درخشاں کلفٹن" کے علاقہ میں جامع القرآن (مسجد) اور قرآن اکیڈمی کی تعمیر کے لئے ڈیفنس اتھارٹی نے انجمن کو تین ہزار گز کے پلاٹ کے

الاٹمنٹ کی پیش کش کی ہے۔ڈیفنس اتھارٹی نے رفاہ عام کے پلاٹوں کے الاٹمنٹ کے لئے چند شرائط بھی مقرر کر رکھی ہیں۔ انجمن کی طرف سے کوشش کی جارہی تھی کہ ان شرائط میں انجمن کے حق میں کچھ ترمیم کرالی جائے۔لیکن معلوم ہوا کہ ان شرائط میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں ہے۔ اتھارٹی کی شرائط تمام (AMINITIES) کے پلاٹوں کے لئے یکساں ہیں۔چنانچہ فیصلہ کیا گیا کہ اتھارٹی کی شرائط پر اس پلاٹ کی پیشکش منظور کر لی جائے۔ الحمدُللہ انجمن کو تین ہزار مربع گز کا یہ پلاٹ ڈیفنس اتھارٹی کی طرف کسی قیمت کے بغیر الاٹ ہو گیا ہے۔اس پلاٹ کی موجودہ نرخ کے اعتبار سے قیمت ساٹھ لاکھ روپے سے بھی زیادہ ہے۔نیز بفضلہ تعالیٰ اس پلاٹ کی لیز (LEASE) بھی مکمل ہو گئی ہے " ذالک فضلُ اللہِ یوتیہ مَن یّشاء "

پلاٹ پر سیرت مطہرہ کا بیان:

یقیناً انجمن کے جملہ وابستگان کے لئے یہ اطلاع باعث مسرت و انبساط ہوگی کہ بحمد اللہ وعونہٖ ۲۷ اکتوبر ۸۸ء مطابق ۱۲ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ بعد نماز مغرب اس الاٹ شدہ پلاٹ 55-M-D، اسٹریٹ نمبر 34 " درخشاں " فیز " 6 " متصل سی ویو اپارٹمنٹ ڈیفنس سوسائٹی پر انجمن سندھ کے زیر انتظام سیرت النبیؐ کا ایک عظیم الشان جلسہ عام کا انعقاد عمل میں آیا۔جلسہ گاہ کے لئے اسی پلاٹ پر شامیانوں اور بجلی کے قمقموں پر مشتمل ایک شاندار پنڈال بنایا گیا۔ڈیفنس اتھارٹی نے پلاٹ کو ہموار کرانے اور بجلی اور پانی کی فراہمی کے لئے بھرپور تعاون کیا۔شامیانوں کے اس وسیع اور عریض پنڈال مع ٹیوب لائٹس قمقے اور سرچ لائٹ کا انتظام کراچی کے مشہور و معروف ادارے منظور اینڈ سنز نے بلامعاوضہ انجام دیا۔خواتین کی نشست کا بھی باپردہ انتظام تھا۔اس کام میں تعاون کرنے والے تمام حضرات اور اداروں کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر سے نوازے۔

جلسہ عام کے خطاب کا موضوع:

محترم ڈاکٹر اسرار احمد دامت برکاتہم نے اس جلسہ عام میں " سیرتِ نبویؐ کا انقلابی پہلو " کے موضوع پر نہایت ولولہ انگیز، پر تاثیر اور مدلّل و جامع خطاب ارشاد فرمایا۔سامعین کی اکثریت کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ کا ایک داعی انقلاب کی حیثیت سے تعارف اور سیرت طیبہ کے مختلف ادوار و مراحل کا ایک ہمہ گیر ہمہ جہتی اور کامل واتم نیز صالح

ترین انقلاب کے زاویہ نگاہ سے جائزہ، تذکرہ اور تجزیہ ایک خوشگوار حیرت و تعجب کا باعث تھا۔ شرکاء کی حاضری کا محتاط اندازہ پانچ سو نفوس کے لگ بھگ تھا۔ پورے خطاب کے دوران ایسے محسوس ہوتا تھا کہ جیسے خطیب کی پر تاثیر آواز، دلآویز شخصیت، مدلّل و مستحکم دلائل و شواہد نے پورے مجمع کو مسحور کر رکھا ہے۔ ہر فرد گوش بر آواز اور ہر نگاہ خطیب کے چہرے کی طرف مرکوز تھی۔

جامع القرآن کا سنگ بنیاد:

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس پلاٹ پر ۲۱ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ کو انجمن ہذا کے صدر جناب سراج الحق سید اور مجلس منتظمہ کے بعض اراکین نیز محترم حافظ محمد رفیق صاحب فیلو قرآن اکیڈمی لاہور کی موجودگی میں جامع القرآن کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اس مبارک تقریب کے موقع پر ڈیفنس اتھارٹی کے بعض اعلیٰ عہدیداران نے بھی شرکت فرمائی۔

جامع القرآن اور اکیڈمی کی تعمیر کی منصوبہ بندی:

پلاٹ کا SOIL TEST کرا لیا گیا ہے اور الحمدللہ اس ٹیسٹ کی رپورٹ بڑی تسلی بخش ہے۔ آرکیٹیکٹ کا انتخاب و تقرر زیر غور ہے۔ اسی طرح مجوزہ عمارت کا DESIGN بھی ابھی قطعی طور پر منظور نہیں ہوا ہے، وہ بھی تاحال زیر غور ہے۔ توقع ہے کہ نو منتخب مجلس منتظمہ ان امور پر جلد مناسب فیصلہ کرے گی۔ البتہ موجودہ مجلس منتظمہ نے طے کیا ہے کہ تعمیر تین مراحل میں مکمل کی جائے۔ پہلے مرحلہ میں پلاٹ کی چہار دیواری، پانی کے زیر زمین اور OVER HEAD ٹینک، وضو خانے، غسلخانے اور اسٹور روم کی تعمیر کی جائے۔ دوسرے مرحلہ میں اکیڈمی کے فرش اور مسجد کی بنیاد کا کام مکمل کیا جائے۔ تیسرے مرحلہ میں مسجد کی تعمیر مکمل کی جائے۔ مسجد کی تعمیر مکمل ہونے تک پنج وقتہ نماز باجماعت اور عربی کے درس و تدریس کا انتظام اکیڈمی کے فرش پر کیا جائے۔ یہاں یہ بتا دینا مناسب ہوگا کہ اکیڈمی کے دفاتر، کلاس رومز اور لائبریری وغیرہ مسجد کے زیر زمین حصہ یعنی BASEMENT میں انشاءاللہ تعمیر ہوں گے۔

جامع القرآن اور اکیڈمی کی تعمیر کے اخراجات کا تخمینہ:

موجودہ روز افزوں گرانی کے پیش نظر اس منصوبے کی مکمل تعمیر کے اخراجات کا محتاط تخمینہ تیس لاکھ روپے سے بھی متجاوز نظر آرہا ہے سنہ ۹۸-۱۹۸۹ء کے مالیاتی سال میں مسجد فنڈ میں خصوصی اعانتوں سے مبلغ ۰۰-۶۹۰ ,۵۳ ,۳ روپے اور تعمیر فنڈ میں ۰۰-۰۰۰ ,۵۳ ,۱ روپے انجمن کو وصول ہوئے ہیں۔ میں جملہ اراکین اور وابستگان انجمن سے بنام خدا پُر زور اپیل کرتا ہوں کہ وہ خود بھی مسجد فنڈ اور اکیڈمی تعمیر فنڈ میں دل کھول کر انفاق فرمائیں نیز اپنے اعزہ و اقارب اور حلقۂ احباب و تعارف کو بھی اس کار خیر میں انفاق کی ترغیب و تشویق دلا کر تعاون فرمائیں۔ انشاء اللہ العزیز اس کام میں مدد کرنے والے کا تعاون، تعاون علی البّر شمار ہوگا۔

رفاہ عام کے پلاٹ کے لئے کے ڈی اے میں درخواست

گذشتہ سال کی رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ انجمن کی طرف سے قریباً دس ہزار مربع گز کے ایک رفاہ عام (AMINITY) پلاٹ کے الاٹ منٹ کی کے ڈی اے میں درخواست دی گئی ہے۔ نیز کے ڈی اے کے قواعد کیمطابق بطور ضمانت انجمن کے فنڈز سے مبلغ ۰۰-۳۰۰ ,۱۳ روپے بینک میں فکس ڈیپازٹ میں جمع کرا کے بینک سرٹیفکیٹ درخواست کے ساتھ داخل کیا گیا ہے۔ سال گذشتہ کے ڈی اے کی گورننگ باڈی توڑ دی گئی تھی۔ اور اس کی نئی گورننگ باڈی کافی طویل عرصہ تک مقرر نہیں ہوئی۔ اسی اثناء میں کے ڈی اے کے چیف ایگزیکٹیو بھی ریٹائر کر دیئے گئے۔ بایں وجوہ AMENITY پلاٹس کے الاٹ منٹ کا مسئلہ بھی تعویق کا شکار ہو گیا اور انجمن کی درخواست بھی داخلِ دفتر ہی رہی۔ اب کے ڈی اے کو پھر رجوع کیا جا رہا ہے اور الاٹمنٹ کے حصول کی سعی کی جا رہی ہے۔ لیکن اگر محسوس ہوا کہ الاٹمنٹ کی کوئی امید نہیں ہے تو انجمن اپنی عرضی واپس لینے پر غور کرے گی اور فکس ڈیپازٹ کو بھی ختم کرنے کا فیصلہ کرے گی۔

شام الہدیٰ:

شام الہدیٰ کا پروگرام اصلاً تو قریباً چھ سال قبل اوّلاً کراچی کے چند علم دوست اور دعوت رجوع الی القرآن سے گہرا شغف رکھنے والے حضرات کے مالی تعاون سے کراچی کے معروف

ہوٹل "تاج محل" کے وسیع و عریض آڈیٹوریم "موتی محل" میں شروع ہوا تھا۔ اس کارخیر میں تعاون کے پیش نظر تاج محل ہوٹل کی انتظامیہ اس آڈیٹوریم کا ایک پیسہ بھی بطور کرایہ نہیں لیتی تھی۔ ایک سال کے بعد مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے اس کے انعقاد کا اہتمام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ انجمن خدام القرآن سندھ کی تاسیس کے بعد اس پروگرام کے انعقاد اور اس کے جملہ انتظامات و انصرام کی ذمہ داری انجمن ہذا نے اپنے ذمے لی۔ شام الہدیٰ کے اس پروگرام کو دینی، دعوتی، علمی اعتبارات سے کراچی میں مقبول اور ممتاز ترین مقام حاصل رہا ہے۔ جب تک اس کا انعقاد "موتی محل آڈیٹوریم" میں ہوتا رہا تو یہ وسیع و عریض آڈیٹوریم جس میں گیارہ سو نشستوں کا انتظام ہے، ہر پروگرام میں تنگیِ داماں کا سماں پیش کرتا رہا۔ بلکہ بعض مواقع پر تو پورا اسٹیج اور تمام خالی جگہیں فرشی نشستوں سے پُر ہو جاتی تھیں حتیٰ کہ راہداری کی سیڑھیوں پر لوگ بلا تکلف بیٹھ جاتے تھے، جن حضرات کو یہاں بھی جگہ نہیں ملتی تو وہ آڈیٹوریم کی دیواروں اور نشستوں کے درمیان خالی جگہ پر کھڑے ہو کر پورا پروگرام سنتے تھے۔ ان سامعین و شرکاء کی بڑی تعداد علماء، وکلا، ڈاکٹرز، انجینیرز، اساتذہ، طلبہ اور اعلیٰ سرکاری ملازمین پر مشتمل رہتی رہی ہے الغرض ابتدا ہی سے اس میں معاشرے کے ہر طبقے سے لوگ شریک ہوتے چلے آرہے ہیں۔ خواتین کے لئے پردے کا انتظام ہوتا ہے اور ان کی بھی اچھی خاصی تعداد "شام الہدیٰ" میں شریک ہوتی رہی ہے۔ الغرض بلا مبالغہ یہ عرض کیا جاسکتا ہے کہ قرآن حکیم کے درس کا یہ اجتماع کراچی میں ایک مثالی نوعیت کا حامل رہا ہے۔ اس کی کوئی دوسری نظیر کراچی میں شاید ڈھونڈے سے بھی نہ ملے۔ "شام الہدیٰ" کے اس پروگرام کی مقبولیت کا اصل سبب تو اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید اور قرآن حکیم کے علوم و معارف کا اعجاز ہے۔ لیکن اس پروگرام کی مقبولیت میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کی شخصیت، ان کا پُر تاثیر طرزِ خطابت، ان کی قرآن فہمی اور ان کا قرآن حکیم کی تفہیم کے لئے قرآن مجید سے اخذ کردہ فطری طرزِ استدلال اختیار کرنے کو بھی بڑا دخل ہے۔ موصوف کے درس قرآن حکیم یا خطاب کے متعلق یہ کہنا صد فی صد درست ہوگا کہ بقول "از دل خیزد بر دل ریزد" والا معاملہ ہوتا ہے۔

اکتوبر ۸۷ء تک "شام الہدیٰ" کا انعقاد موتی محل آڈیٹوریم میں ہوتا رہا لیکن اس موقع پر بعض انتظامی دشواریوں کے پیش نظر تاج محل ہوٹل کی انتظامیہ نے آئندہ

لئے اس تعاون سے معذرت کر لی۔ چنانچہ کسی دوسرے متبادل آڈیٹوریم کی تلاش شروع ہوئی اور بفضلہ تعالیٰ ریکس (ہاشو) آڈیٹوریم عبداللہ ہارون روڈ کے منتظمین کا تعاون ایک نشست کے لئے برائے نام معاوضہ پر حاصل کرنے میں کامیابی حاصل ہو گئی۔ جہاں بحمداللہ ۲۹ مارچ ۸۷ء کو "شام الہدیٰ" کے انعقاد کی تجدید ہو گئی۔ اندیشہ تھا کہ جگہ کی تبدیلی شرکار کی تعداد پر اثر انداز ہوگی۔ لیکن بفضلہ تعالیٰ اس آڈیٹوریم میں بھی شرکاء کا وہی عالم رہا جو موتی محل آڈیٹوریم میں ہوتا تھا۔

سال گذشتہ ۸۷-۸۸ء میں جون ۸۸ء تک "شام الہدیٰ" کی چار نشستیں موتی محل آڈیٹوریم اور دو نشستیں ریکس آڈیٹوریم میں منعقد ہوئیں تھیں۔ جن کی تفصیل سال گذشتہ کی سالانہ رپورٹ میں پیش کی جا چکی ہے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ الحمدللہ جگہ کی تبدیلی سے اس پروگرام کی مقبولیت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ لوگ پہلے کی طرح بڑے ذوق و شوق سے ان پروگراموں میں شریک ہوتے چلے آرہے ہیں۔ یہاں اس بات کا تذکرہ بھی مناسب ہوگا کہ صلوٰۃ العشاء ہر پروگرام کے اختتام پر ابتدائی سے با جماعت ادا کرنے کا اہتمام ہوتا ہے۔

عرصہ زیر رپورٹ میں ریکس آڈیٹوریم میں بحمداللہ کُل گیارہ نشستیں منعقد ہوئیں۔ جن میں چار نشستیں تو یک روزہ تھیں۔ دسمبر ۸۸ء میں مسلسل پانچ یوم تک "اسلام کا نظام حیات" کے موضوع پر پانچ روزہ محاضراتِ قرآنی کا انعقاد عمل میں آیا۔ مزید براں مئی ۸۸ء میں مسلسل دو نشستیں منعقد ہوئیں۔ ان کا تذکرہ ان شاء اللہ قدرے تفصیل سے آگے آئے گا۔

محترم ڈاکٹر صاحب موصوف نے جولائی ۸۸ء ہی میں اپنی دعوتی سرگرمیوں میں روز افزوں اضافے اور قرآن اکیڈمی میں تحریری کام کے لئے زیادہ وقت فارغ رکھنے کے پیش نظر یہ فرما دیا تھا کہ ۸۸-۸۹ء میں وہ کراچی کی انجمن کو "شام الہدیٰ" کے لئے ہر سہ ماہی میں ایک دن کا یعنی پورے سال میں چار نشستوں کے لئے وقت دے سکیں گے۔ لیکن ربّ کریم و رحیم کے کرم اور رحمت پر قربان جایئے کہ سال رواں میں شام الہدیٰ کی مجموعی طور پر گیارہ نشستیں منعقد ہوئیں۔ جن کے موضوعات کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ان موضوعات سے ڈاکٹر صاحب دامت فیوضہم کے دروس قرآن حکیم اور خطابات کی اہمیت و افادیت انشاء اللہ واضح طور پر آپ کے سامنے آجائے گی۔

★.... "فلسفہ شہادت قرآن حکیم کی روشنی میں"

★.... "منافقت کی حقیقت قرآن، سنت اور سیرت مطہرہ کی روشنی میں"

★.... "حالیہ انتخابات اور پاکستان کا مستقبل۔ قرآن حکیم کی روشنی میں"

★.... "اسلام کا نظام حیات" "پانچ روزہ محاضرات قرآنی"۔

● ان پانچ روزہ محاضرات کے ہر روز کے ذیلی موضوعات:

★.... "اسلامی نظام کی نظریاتی اساس"

★.... "اسلام کا اخلاقی و روحانی نظام"

★.... "اسلام کا سماجی و معاشرتی نظام" } ۱۷ تا ۲۱ دسمبر ۸۸ء

★.... "اسلام کا سیاسی و ریاستی نظام"

★.... "اسلام کا معاشی و اقتصادی نظام"

● مندرجہ بالا موضوعات کے نتیجہ میں لازماً یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ اس نظام کیلئے پاکستان میں قیام کا نہج کیا ہونا چاہیئے؟ لہذا ان محاضرات کے تتمہ کے طور پر محترم ڈاکٹر صاحب مدظلہ نے جنوری ۸۹ کے پہلے ہفتہ میں حسب ذیل موضوع پر خطاب ارشاد فرمایا:

★.... "پاکستان میں اسلامی نظام کا صحیح طریق کار.... احیائے اسلام اور غلبۂ دین کے آرزومندوں کے لئے لمحۂ فکریہ!"

● نومبر ۸۸ء کے قومی و صوبائی اسمبلیوں کے عام انتخابات (۴ جنوری ۸۹ء) کے بعد پاکستان جن داخلی اور خارجی مشکلات اور دشواریوں سے دوچار ہوا اور جو صورتحال کم و بیش تا حال جاری ہے۔ اس کے پیش نظر محترم ڈاکٹر صاحب دامت برکاتہم نے مئی ۸۸ کے اواخر میں "شام الہدیٰ" کی مسلسل دو نشستوں میں جن مسائل پر خطاب ارشاد فرمایا اس کا موضوع ایک دو جملوں میں بیان نہیں ہوسکتا۔ لہذا ذیل میں وہ عبارت دی جا رہی ہے جو اس دو روزہ پروگرام کے دعوت ناموں میں تحریر کی گئی تھی:

★..... "آج ہر باشعور مسلمان سوچ رہا ہے کہ:

"ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند ـــــ گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب ہیں؟ کے مصداق عظیم ملّتِ اسلامیہ عالمی سطح پر بے عزّت اور بے وقعت کیوں ہے؟ اور خصوصاً مملکتِ خداداد پاکستان شدید ترین انتشار سے دوچار کیوں ہے؟ اور

"فلک کا جورِ مسلسل جواب دے اس کا ـــ ہم اپنے حال میں کب انقلاب دیکھیں گے؟ کے مصداق اس صورتحال میں 'انقلاب' (تبدیلی) کس طرح ممکن ہے؟ ان سوالات کے جوابات قرآن حکیم کی روشنی میں جاننے کے لئے ۲۸ و ۲۹ مئی بروز اتوار و سوموار ۸ بجے شب ریکس آڈیٹوریم، صدر، کراچی میں "شام الہدیٰ" کے پروگرام میں قرآن حکیم کے ادنیٰ طالبعلم اور ملّت اسلامی کے ادنیٰ خادم **ڈاکٹر اسرار احمد** کے خطابات میں شرکت فرمایئے۔

بے مثال حاضری:

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ بحمداللہ کراچی میں "شام الہدیٰ" کا پروگرام بے حد مقبول ہے۔ لیکن مسلسل پانچ روزہ محاضراتِ قرآنی میں پھر اس کے تتمہ والی شام الہدیٰ میں نیز ۲۸، ۲۹ مئی ۸۹ء کے دو روزہ پروگرام میں شرکاء کی تعداد اور ان کے ذوق و شوق کی جو کیفیت دیکھنے میں آئی وہ قابلِ ذکر ہے۔ بلاشبہ یہ کیفیت دیدنی تھی جس کی تحریری نقشہ کشی بڑی مشکل ہے۔ آڈیٹوریم کی نہ صرف نیچے کے پورے ہال اور اوپر کی گیلری کی تمام نشستیں پُر تھیں بلکہ اسٹیج اور نشستوں اور اسٹیج کی درمیانی جگہوں پر جو دریوں کا فرش بچھایا گیا تھا اس پر لوگ کھچا کھچ بیٹھے تھے۔ یہاں تک کہ یہ تمام جگہیں بھر جانے کے بعد لوگ کرسیوں کے درمیانی راستوں اور ہال کی دو طرفہ دیواروں اور کرسیوں کے ساتھ والی جگہوں کے ساتھ ساتھ بھی کھڑے تھے اور ڈھائی گھنٹے سے بھی زائد پروگرام میں پورے انہماک، دلچسپی اور نہایت باوقار خاموشی سے شریک رہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ انجمن سندھ کے بعض حضرات اس بات پر متردد اور اندیشے میں مبتلا تھے کہ مسلسل پانچ روز تک کیا روزانہ بڑی تعداد میں لوگوں کی شرکت ممکن ہو گی!

محاضراتِ قرآنی کی ایک خصوصیت

کراچی میں منعقد ہونے والے ان محاضراتِ قرآنی کے انعقاد میں ان کی افادیت اور

شرکا کی دلچسپی کے پہلو کے پیش نظر یہ اہتمام بھی کیا گیا تھا کہ محترم ڈاکٹر صاحب مدظلہ کے خطابات کے موضوع کے اعتبار سے ہر نشست میں علمائے دین، اہل دانش و بینش اور کراچی یونیورسٹی کے پروفیسر صاحبان کے تین یا چار اصحاب پر مشتمل ایسے حضرات کے پینل بھی مقرر کیئے گئے تھے جو اس موضوع میں خصوصی درک، معلومات اور گہری دلچسپی رکھتے ہوں۔ ہر خطاب کے بعد پینل کے معزز و محترم حضرات اس موضوع سے متعلق ڈاکٹر صاحب سے توضیحی، وضاحتی اور اشکالی سوالات کرتے تھے۔ جن کے ڈاکٹر صاحب موصوف جوابات دیا کرتے تھے۔ اس طرح بڑی حد تک یہ کوشش کامیاب رہی کہ موضوع سے متعلق کوئی گوشہ بھی تشنہ نہ رہے۔ اللہ کا شکر و احسان ہے کہ اس انتظام کو شرکا نے بھی قدر اور دلچسپی کی نگاہ سے دیکھا نیز موضوع پر خطاب کی افادیت بھی دوچند ہوگئی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جن حضراتِ گرامی نے پینل میں حصہ لے کر انجمن کے ساتھ گراں قدر تعاون فرمایا، واقعہ یہ ہے کہ اس کے شکریئے کے لئے مناسب الفاظ نہیں مل رہے۔ ان علماء و دانشوران کا جہاں تعاون اعلیٰ اکبر تھا وہاں بہت بڑا ایثار بھی تھا کہ انہوں نے قریباً دو ڈھائی گھنٹے پر محیط محترم ڈاکٹر صاحب کا خطاب توجہ سے سماعت فرمایا اور پھر نہایت پُر مغز اور دانشورانہ سوالات کے ذریعے سے موضوع کے چند اہم گوشوں اور پہلوؤں کو واضح و منقح کرنے کا ڈاکٹر صاحب کو موقع عنایت فرمایا۔ ان حضرات کے لئے قلب کی گہرائی سے عرض یہ ہے کہ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

سوال و جواب کی نشست:

شام الہدیٰ کے دروس قرآن حکیم یا خطابات کے بعد گاہے گاہے ایسا بھی ہوتا رہا ہے کہ اُسی نشست میں موضوع سے متعلق حاضرین میں سے بعض اصحاب کی طرف سے جو تحریری سوالات و اشکالات آتے تو محترم ڈاکٹر صاحب وقت کی محدودیت کے باعث ان میں سے چند کے جوابات دیدیا کرتے۔ عموماً ایسا بھی ہوتا رہا ہے کہ حاضرین کو دعوت دی جاتی کہ جو حضرات سوالات اور اپنے اشکالات پیش کرنا چاہتے ہوں وہ مقررہ وقت کے دوران انجمن ہذا کے کراچی آفس داؤد منزل نزد آرام باغ تشریف لے آئیں۔ چنانچہ کئی حضرات تشریف بھی لے آتے تھے۔ لیکن مئی ۸۹ء کے دو خطابات کے بعد انجمن کی طرف سے ایک نیا تجربہ یہ کیا گیا

کہ تیسرے دن ہوٹل جیبیس صدر میں نماز مغرب کے متصلاً بعد ،،سوال وجواب،، کی ایک باقاعدہ نشست کے انعقاد کا انتظام کیا گیا۔ خیال یہ تھا کہ عام حاضرین میں سے زیادہ سے زیادہ ساٹھ ستر حضرات تشریف لے آئیں لیکن بڑی خوشگوار حیرت ہوئی جبکہ اس نشست میں ڈھائی سو سے بھی متجاوز حضرات نے شرکت کی۔ بیسوں سوالات تحریری طور پر کارروائی سے قبل دے دیئے گئے تھے۔ لیکن قریباً ڈھائی گھنٹے کی اس نشست میں تمام سوالات کے جوابات دینا ڈاکٹر صاحب کے لئے ممکن نہ ہوسکا۔ چند اہم ترین سوالات کا انتخاب کر کے ان کے ڈاکٹر صاحب نے مفصل جوابات دیئے۔ البتہ اس نشست کا یہ فائدہ ہوا کہ آئندہ ،،شام الہدیٰ،، کے متصلاً بعد سوال وجواب کی ایک باقاعدہ نشست کی ضرورت کا ادراک و احساس ہوگیا۔ انشاء اللہ العزیز آئندہ سے اس کا اہتمام کرنے کی پوری کوشش کی جائی پیش نظر ہے۔ چنانچہ ۲۴ ستمبر ۸۹ کو ریکس آڈیٹوریم میں شام الہدیٰ کے متصلاً بعد یعنی دوسرے دن ۲۵ ستمبر ۸۹ء بعد نماز مغرب ہوٹل جیبیس ہی میں ،،سوال وجواب،، کی نشست کا انعقاد عمل میں آئے گا۔ انشاء اللہ۔

دورہ ترجمہ قرآن:

ماہ رمضان المبارک میں صلوٰۃ التراویح کے ساتھ تراویح کی چار رکعات میں پڑھے جانے والے قرآن حکیم کے حصے کا ان رکعات سے قبل ترجمہ اور خاص مقامات کی مختصر وجامع تشریح و تفسیر کا جو پروگرام ۱۹۸۳ء سے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے قرآن اکیڈمی لاہور شروع کیا تھا، کراچی میں بھی اس پروگرام کے انعقاد کا دعوتِ رجوع الی القرآن سے قریبی تعلق اور وابستگی رکھنے والے حضرات کو بڑا اشتیاق تھا۔ چنانچہ رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ مطابق ماہ مئی، جون ۱۹۸۶ء میں ناظم آباد نمبر ۵ کی جامع مسجد کے بالائی ہال میں اللہ تعالیٰ کی نصرت وتائید سے اس کا انتظام ہوگیا۔ جن حضرات نے اس پروگرام میں حصہ لیا تھا، ان کو جب اس کی یاد آتی ہے تو مشام جان کیف وسرور سے معمور ہو جاتے ہیں اور دلوں میں یہ آرزو اور تمنا مچلنے لگتی ہے کہ اُن کی زندگی میں یہ وجد آفریں حسین دور بار بار آئے۔ صلوٰۃ التراویح میں حافظ محمد رفیق جیسا خوش الحان قاری ہو اور وہ کلام ربانی کی ترتیل کے ساتھ اس طور پر تلاوت کرے کہ سامع کو یہ

محسوس ہو کہ اس کا رب اس کا آقا اس کا مالک، اس کا خالق عزوجل خود اس سے کلام ومخاطبہ فرما رہا ہے اور اس کے عظمت وجلال والا کلام اس کے ذہن وفکر اور قلب وروح پر مبارک بارش کی طرح برس رہا ہے..... پھر محترم ڈاکٹر اسرار احمد دامت فیوضھم کی ذاتِ بابرکات ہو جس کے سینے اور جس کے دماغ کو اللہ ربّ العزت نے قرآن فہمی کے لئے کھول رکھا ہے جس کی پُرتاثیر ودلکش آواز، سلیس وشستہ زبان اور فطری طرزِ استدلال سے قرآن حکیم کے علوم ومعارف، اس کے عبر وبصائر، اس کے حِکَم ومواعظ اس رواں ترجمہ اور مختصر تشریح وتفسیر کے ذریعے سے منکشف ہوتے اور شعور وادراک نیز فکر ونظر کو ضیاء وجلاء بخشتے ہیں لیکن محترم ڈاکٹر صاحب کے لئے یہ کب ممکن ہے کہ ہر رمضان المبارک کی بابرکت اور پرعظمت راتیں کراچی کے لئے وقف فرما دیں۔ پھر ١٤٠٩ھ کے رمضان المبارک کے لئے دورہ ترجمان کا پروگرام بہت پہلے سے ابوظہبی (عرب امارات) کے لئے طے پا چکا تھا اور رمضان المبارک ١٤١٠ھ کے لئے شمالی امریکہ کے رفقاء نے محترم ڈاکٹر صاحب سے وہاں کے لئے دورہ ترجمہ قرآن کا وعدہ لے رکھا ہے۔ جہاں انشاء اللہ ڈاکٹر صاحب موصوف ترجمہ اور مختصر تفسیر وتشریح انگریزی زبان میں بیان فرمائیں گے۔

لہذا اس مقولے کے مطابق کہ: مَا لَا یُدْرَکُ کُلُّہٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّہٗ، یعنی اگر کوئی چیز تمام وکمال نہ مل سکے تو اس کو بالکل چھوڑ دینا بھی نہیں چاہیئے۔ لہذا فیصلہ کیا گیا کہ ١٤٠٩ھ کے رمضان المبارک میں دورۂ ترجمہ قرآن کے لئے مرکزی انجمن سے درخواست کی جائے کہ حافظ محمد رفیق صاحب فیلو قرآن اکیڈمی کو کراچی بھیج دیں۔ حافظ موصوف قرآن اکیڈمی میں یہ کام ایک مرتبہ انجام دے چکے ہیں۔ حافظ صاحب موصوف چونکہ بیک وقت صلوٰۃ التراویح پڑھانے اور دورۂ ترجمہ قرآن کا کام انجام نہیں دے سکتے تھے لہذا مرکز نے ہماری درخواست پر حافظ محمد رفیق صاحب کے ہمراہ ایک دوسرے قاری جناب حافظ شبیر احمد صاحب کو صلوٰۃ التراویح پڑھانے کے لئے بھیج دیا۔ انجمن سندھ اس تعاون کے لئے مرکزی انجمن کی نہایت ممنون ہے۔ الحمدللہ دونوں حضرات نے تفویض کردہ کام بڑے ذوق وشوق اور حسن وخوبی سے انجام دیا اور اس طرح ١٤٠٩ھ کے رمضان المبارک میں صلوٰۃ التراویح کے

مکتبہ:

انجمن سندھ کی تاسیس کے پہلے سال ہی سے انجمن کے سٹی اور برانچ آفس نمبرا داؤد منزل شاہراہ لیاقت نزد آرام باغ میں جو عروس البلاد کراچی کے قریباً وسط میں واقع ہے، انجمن کا مکتبہ قائم کر دیا گیا تھا۔ اس میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی تمام مطبوعات کا اسٹاک رہتا ہے جن میں زیادہ تر تالیفات مرکزی انجمن کے صدر مؤسس اور انجمن سندھ کے نگرانِ اعلیٰ جناب ڈاکٹر اسرار احمد دامت اقبالھم کی شامل ہیں۔ سالِ گذشتہ سے مکتبہ میں محترم ڈاکٹر صاحب کے ویڈیو اور آڈیو کیسٹس کا اضافہ کیا گیا ہے! انجمن سندھ کی طرف سے شام الہدیٰ کراچی نیز کسی دوسرے مقام پر ڈاکٹر صاحب موصوف کے جو دروس قرآن حکیم اور خطابات ہوتے ہیں انکی ویڈیو اور آڈیو کیسٹس کے ذریعہ سے ریکارڈنگ کا انتظام ہوتا ہی ہے۔ اور یہ انجمن سندھ کے مکتبہ میں برائے فروخت رکھے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں محترم ڈاکٹر صاحب کے لاہور اور دوسرے مقامات کے دروس و خطابات کے ویڈیو اور آڈیو کیسٹس بھی مکتبہ میں ہر وقت دستیاب رہتے ہیں۔ الحمد للہ مکتبہ سے کتب اور دونوں اقسام کے کیسٹس کی فروخت کے ذریعہ سے دعوتِ رجوع القرآن کی توسیع کا کام ترقی پذیر ہے اور قرآن کا پیغام، قرآن کی دعوت اور قرآنی فکر ان ذرائع سے وسعت پذیر ہے۔ بیرون پاکستان مقیم ہمارے دینی پاکستانی بھائیوں کا انجمن کے مکتبہ کی طرف رجوع روزافزوں ہے۔ چنانچہ آپ حسابات کے گوشوارے میں ملاحظہ فرمائیں گے کہ انجمن سندھ کے مکتبہ سے سال گذشتہ ۸۸-۸۷ء میں مبلغ ۵۰۔ ۹۲ ۔ ۱۶ ,۱ روپے کی فروخت ہوئی تھی جبکہ عرصہ زیر رپورٹ کے مالیاتی سال کی مکتبہ کی فروخت مبلغ ۰۰۔ ۹۲ ,۷ ۵۵ ,۱ روپے ہے۔

صدر دفتر کی منتقلی:

آپ حضرات کے علم میں ہے کہ انجمن سندھ کا صدر اور رجسٹرڈ آفس انجمن کے صدر محترم جناب سراج الحق سید صاحب کے مکان کے ایک کمرے میں واقع ہے۔ البتہ انجمن کا ایک ذیلی دفتر اور پورا مکتبہ نمبرا داؤد منزل شاہراہ لیاقت نزد آرام باغ میں قائم ہے۔ اس بات کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ انجمن کا صدر دفتر اور اس کا مکتبہ ایک ہی مقام پر مجتمع ہوں تاکہ لوگوں کو انجمن کے سلسلے میں دفتر کو رجوع کرنے میں آسانی ہو۔ چنانچہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد نگرانِ اعلیٰ انجمن ہذا کے مشورے سے مجلس منتظمہ نے طے کیا ہے کہ انجمن کی مجلس عامہ کے تیسرے اجلاس کے انعقاد اور مناسب انتظام کی تکمیل کے بعد جس میں ایک جز وقتی اکاؤنٹنٹ کے تقرر کی بڑی اہمیت ہے، صدر دفتر کی منتقلی عمل میں لائی جائے۔ اور صدر دفتر کو نمبرا داؤد

منزل ہی میں منتقل کر دیا جائے نیز اس منتقلی کی رجسٹرار کو اطلاع کر دی جائے۔ مجلس منتظمہ نے یہ بھی طے کیا ہے کہ دفتر کی منتقلی کے بعد شیخ جمیل الرحمٰن صاحب کو جو انجمن سندھ کے رکن بھی ہیں اور جو کراچی کے ایک مشہور و معروف رفاہی، تعلیمی، اصلاحی اور طبی ادارے میں تقریباً پچیس ۲۵ تک آفس سکریٹری کے فرائض انجام دے چکے ہیں، انجمن سندھ کے اعزازی آفس سکریٹری کی ذمہ داری سپرد کی جائے تاکہ وہ انجمن کے صدر اور دیگر عہدیداران انجمن کی انجمن کے کاموں اور اس کے جملہ ذیلی شعبوں کی نگرانی اور دفتر نیز مکتبہ کو صحیح خطوط پر چلانے میں معاونت کریں۔ موصوف نے اس ذمہ داری کو خدمتِ قرآن حکیم کے جذبے کے تحت قبول کر لیا ہے۔ جزاہ اللہ خیراً۔

متفرقات :

(i) الحمدللہ انجمن ہذا کے حسابات UP TO DATE رہتے ہیں اور عرصہ زیر رپورٹ کی دوسری ششماہی سے دستور العمل کی دفعہ کے مطابق ہر ماہ ایجنڈے کے ساتھ ماہانہ حسابات کا گوشوارہ مجلس منتظمہ کے اراکین کی خدمت میں ارسال کیا جاتا ہے۔

(ii) بفضلہ تعالیٰ مالیاتی سال ۸۸-۸۹ء کے حسابات (جولائی ۸۸ تا جون ۸۹) بروقت تیار ہو گئے اور الحمدللہ بروقت آڈٹ کے مراحل سے بھی گزر گئے جس کے لئے انجمن اپنے مقرر کردہ آڈیٹر میسرز رحمان سرفراز اینڈ کو چارٹرڈ اکاؤنٹنٹس کے تعاون پر اس ادارے کی نہایت ممنون ہے۔ اکاؤنٹنٹس کی بروقت تیاری اور صحیح BOOK KEEPING کے لئے راقم انجمن کے جز وقتی اکاؤنٹنٹ جناب سمیع احمد صاحب کا بھی بے حد ممنون ہے۔ موصوف نے بڑی ذمہ داری اور انہماک سے تفویض کردہ ذمہ داری کو ادا کیا ہے۔ اس ضمن میں راقم انجمن کے اعزازی ناظم مالیات جناب نجم الحسن صاحب کا بھی تشکر گذار ہے جنہوں نے اس شعبے کی نگرانی کی ذمہ داری باحسن و خوبی انجام دی۔ ان دونوں حضرات کی مشترکہ کوششوں کا یہ ثمرہ ہے کہ آڈٹ شدہ حسابات اس سالانہ رپورٹ میں شامل ہیں۔

(iii) الحمدللہ عرصہ زیر رپورٹ میں مجلس منتظمہ کے ماہانہ اجلاس باقاعدگی سے منعقد ہوتے رہے ہیں اور اراکینِ مجلس کی کثیر تعداد باقاعدگی سے ان اجلاسوں میں شریک ہوتی رہی ہے اور ان کا تعاون اور قیمتی مشورے مجلس کو حاصل ہوتے رہے ہیں۔ جس کے لئے تمام اراکین مجلس منتظمہ کی خدمت میں ہدیہ تشکر پیش ہے۔

بعثتِ انبیاء و رسل کا اساسی مقصد ـــــــ اور

بعثتِ محمدیؐ کی تمامی و تکمیلی شان ـــــــ نیز

انقلابِ نبوی کا اساسی منہاج ـــــــ

ایسے اہم موضوعات پر

ـــــــ ڈاکٹر اسرار احمد ـــــــ

کی

حد درجہ جامع تصنیف

نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت

کا مطالعہ کیجیے

اشاعتِ خاص (اعلیٰ سفید کاغذ مجلّد)	-/۲۰ روپے
اشاعتِ عام (نیوز پرنٹ غیر مجلّد)	-/۸ روپے

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶- کے ماڈل ٹاؤن لاہور - ۱۴ فون: ۸۵۶۰۰۳

OCTOBER 1989 Regd No. L. No. 8193

MONTHLY
HIKMAT_E_QURAN
LAHORE
VOL.8
NO. 10

ماہنامہ میثاق کے ۶۸-۱۹۶۷ء کے اداریوں پر مشتمل

ڈاکٹر اسرار احمد

کی ایک اہم تالیف :

اسلام اور پاکستان

جسے بجا طور پر تحریکِ پاکستان کے تاریخی و سیاسی پس منظر اور اسلامیانِ پاکستان کے تہذیبی و ثقافتی پس منظر پر ایک جامع و مربوط دستاویز کی حیثیت حاصل ہے۔

نیا ایڈیشن، نئی خوبصورت کتابت اور دیدہ زیب طباعت کے ساتھ شائع ہو گیا ہے

قیمت: اعلیٰ ایڈیشن (مجلّد) ۔/۴۰ روپے   اشاعتِ عام: ۔/۱۵ روپے

شائع کردہ

مکتبہ مرکزی انجمن خدّام القرآن، ۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور